شرح قصیدہ بردہ



صلی اللہ علیٰ محمد

سید محمد طیب ہمدانی

تقدیم و ترتیب: پروفیسر امجد علی شاکر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شرح قصیدہ بردہ

مولانا سید محمد طیب ہمدانیؒ

تقدیم و ترتیب

پروفیسر امجد علی شاکر

سنگت پبلشرز، 25 سی لوئر مال، لاہور
فون: 7358741

باذوق قارئین کیلئے

بامقصد

خوبصورت

اورمعیاری

کتابوں کی سنگت فراہم کرنے والامنفرد اشاعتی ادارہ (سنگت پبلشرز)

فون:7358741



ناشر : محمد عاصم ندیم

اشاعت : جنوری2009

قیمت : -/120روپے

انتساب

امیر المومنین (خلیفہ اول)

سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

کے

نام

معروضات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کائنات بنانے والا علیم بھی ہے، خبیر بھی اور حکیم بھی۔ ہم ٹھہرے ذرۂ حقیر، ذرہ کہاں جانتا ہے کہ کب سورج کی کرن اُسے روشن کردے۔ یہ سب تو خالق کائنات ہی کو معلوم ہے۔ میں سوچتا ہوں تو حیرتوں میں گم ہو جاتا ہوں کہ میں ذرۂ حقیر اور آفتاب کے بارے میں بات کروں۔ یہ تو توفیق دینے والا جانتا ہے کہ میں حقیر، علم سے تہی، عمل سے بیگانہ، بے مایہ اور فرومایہ۔ جس کے وجود کی سچائی اُس کی بے مائیگی اور کم مائیگی کے سوا کچھ بھی نہ تھی، اچانک آفتاب نبوت، ختم رسالت حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کے بارے میں لکھنے لکھانے کی توفیق سے نوازا جائے۔ یہ تو کائنات بنانے والے کی عنائتیں ہیں۔ یہ سوچتا ہوں تو محمد علی جوہر یاد آتے ہیں:

اک فاسق و فاجر پر اور اتنی عنایاتیں

قصیدہ بردہ شریف دربار رسالت میں مقبول ہوا تو پوری کائنات پر پھیل گیا۔ یہ تو بردہ کا کمال ہے۔ بوصیری تو بس اپنا درد لے کر گئے تھے، شفا لے کر لوٹے۔ عطا سے نوازے گئے، دلوں میں زندہ ہو گئے اور لوحِ کائنات پر مستقل نقش ہو گئے۔ بوصیری بردہ کی پناہ میں آئے تو فنا سے محفوظ، مامون اور مصئون ہو گئے۔ قصیدہ بردہ شریف شاعری تھا، مگر ذکر کا درجہ پا گیا۔ یہ سب خالق کائنات کے راز ہیں۔

اللہ والوں کے ہاں قصیدہ بردہ محبوب اور مقبول ہے۔ اللہ والوں نے اسے زندگی کا درود اور وظیفہ بھی بنایا اور غور وفکر کا موضوع بھی۔ اس کی بہت سی شرحیں لکھی گئیں۔ ان شارحین میں ادیب بھی تھے اور مورخ بھی، مفسر بھی تھے اور محدث بھی۔ زیرِ نظر شرح بھی ایک محدث کے قلم کا شاہکار ہے۔ یہ سالہا سال سے گوشۂ گمنامی میں پڑا تھا۔ لکھنے والے ہمارے عہد کے ایک بزرگ حضرت مولانا محمد طیب ہمدانی تھے۔ خود محدث ہونے کے علاوہ ایک محدث کے پوتے بھی تھے۔ وہ اشاعت کے حوالے سے بے نیاز شخصیت تھے۔ تصنیف کا کام بس یوں کرتے تھے، جیسے ڈائری لکھتے ہیں۔ لکھا اور لکھ کر بھول گئے۔ محترم

حافظ محمد یحییٰ صاحب نے اس کا مسودہ شاہ صاحب سے پڑھنے کیلئے مانگا تھا۔ پھر یہ انھی کے پاس پڑا رہا۔ ایک دن انہوں نے خاموشی سے اس شرح کا مسودہ لا کر میرے حوالے کر دیا۔ میں نے محمد عاصم ندیم صاحب کو پیش کر دیا کہ اِسے شائع کر دیں۔ پھر جی چاہا کہ اس کے آغاز میں ایک مختصر سا مقدمہ بھی شامل کر دیا جائے۔ مقدمہ لکھنا شروع کیا تو بات پھیلتی گئی اور مقدمہ خاصا طویل ہو گیا۔

خیال آیا کہ شارح مرحوم کے مختصر احوال بھی کتاب کے شروع میں شامل کر دیئے جائیں تو بہتر ہوگا۔ حضرت محمد طیب شاہ ہمدانی صاحب کے نواسے مولانا سید زہیر شاہ صاحب سے حضرت کے احوال کے بارے میں رابطہ کیا۔ انہوں نے معلومات مہیا کرنے کا وعدہ فرمایا، مگر بات آج کل پر ملتوی ہوتی گئی۔ آخر ایک روز ہم اس مقصد کے لئے اکٹھے ہو گئے کہ شاہ صاحب کے احوال و آثار کے لئے نوٹس لئے جائیں۔ میں تو یہ سمجھتا تھا کہ آپ مختلف سنین کی ترتیب سے آپ کی زندگی کے بعض اجزاء بیان کر دیں گے، مگر یہ نہ جانتا تھا کہ اُن کی زندگی ایسے بھرپور اور زندہ رہنے والے واقعات کا مجموعہ ہے کہ اتنی بھرپور اور توانا زندگی بہت کم لوگ گزار سکے ہیں۔ شاہ صاحب جذب و کیف کی حالت میں یہ واقعات سناتے رہے۔ وہ بتا رہے تھے کہ ان واقعات نے اُن کی زندگی کو بدل ڈالا۔ انھوں نے کاغذات کا ذخیرہ میرے سامنے ڈھیر کر دیا۔ یہ سب معلومات کا خزانہ تھا۔ یہ سب ان کا کرم تھا۔ میں اُن کے تعاون پر سراپا سپاس ہوں۔

حضرت شاہ صاحب کی زندگی کی کہانی لکھتے ہوئے اصول تحقیق نے ہاتھ تھاما اور کہا: ”تم روایت باللفظ کا انداز کیسے اپنا سکتے ہو، کون سالوں پرانی باتیں لفظ بلفظ یاد رکھتا ہے۔“ دل میں کہا: ”میں کہاں کا محقق، میں تو چھوٹا سا کہانی کہنے والا۔ مکالمہ نہ لکھوں تو کہانی کا لطف کہاں سے آئے گا۔“ کبھی دل کی مانی، کبھی اصول تحقیق کی، کچھ کہانی کا انداز، کچھ اصول تحقیق کی پاسداری میں تحقیق کا طور طریقہ۔ بہر حال سوانح کا تقریباً سارا باب ہی جناب سید زہیر شاہ صاحب سے روایت ہے۔ بعض جگہ ان کا حوالہ موجود ہے اور بعض جگہ بغیر حوالے کے۔ حضرت شاہ صاحب کے بارے میں جن روایات کا راوی مذکور نہیں، وہ آپ کی روایت سے ماخوذ ہیں۔ آثار کا باب کچھ ادھورا ہے، مگر تکمیل کے انتظار میں اس کی

اشاعت کو زیادہ دیر تک روکنا مناسب نہیں سمجھتا۔ آثار کے تعارف میں کمی کی تلافی پھر کسی وقت پر اٹھا رکھتا ہوں اور شرح آپ کے ذوقِ مطالعہ کی نذر کرتا ہوں۔ شرح کی پروف ریڈنگ محبِ گرامی پروفیسر محمد سعید عابد، پروفیسر محمد سرور گوہر اور مولانا ناظم الدین صاحب نے فرمائی جس پر میں ان کا دل کی گہرائی سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ جناب محمد یحیٰی صاحب کا شکریہ ادا کرنا مجھ پر واجب ہے۔ ان کی کرم فرمائی ہے کہ یہ مسودہ میرے ہاتھ آیا اور اب آپ کے ہاتھوں میں پہنچ سکا۔ انھوں نے مسودے کی امانت کو سنبھال کر رکھا اور مجھ تک پہنچایا۔

آخر میں خیال آتا ہے کہ بردہ کی عطاء نے بوصیری کے مفلوج جسم کو زندگی سے آشنا کر دیا تھا۔ میں بھی اسی بردہ کا سایہ چاہتا ہوں۔ کاش اس کا کوئی تار میرے تارِ جاں کو زندگی آشنا کر دے۔ کیا یہ میرا مقدر ہو سکتا ہے؟ سوال اہلیت کا نہیں، معاملہ تو عطاؤں اور عنایات کا ہے۔ بہرحال میں تو بوصیری کے ایک شارح علیہ الرحمتہ کے وسیلے سے ان سے اپنا رشتہ جوڑ رہا ہوں۔ آخر میں یہ کہہ کر اجازت چاہتا ہوں:

مولایَ صَلِّ وسَلِّمْ دائماً اَبداً
علی حبیبك خیر الخلق کلهم
ربنا تقبل منا انك انت السمیع العلیم

والسلام
امجد علی شاکر
۱۹۲۔ای۔پی۔آئی۔اے
ہاؤسنگ سوسائٹی لاہور
جمعتہ المبارک ۱۵ محرم ۱۴۲۶ھ

تقدیم

تاریخ انسانی میں بعض چیزیں بھی زندہ انسانوں کی طرح زندہ ہیں۔انھی زندہ چیزوں میں دو چادریں بھی ہیں۔انہیں رحمتہ للعالمین کے لمس نے زندہ کر دیا تھا۔یہ دونوں چادریں دو شاعروں کو عطاء ہوئیں۔ایک مسجد نبوی میں فتح مکہ کے بعد کے زمانے میں۔یہ چادر عفو و عافیت اور حفاظت و صیانت کا استعارہ بنی۔یہ چادر پانے والے خوش نصیب کعبؓ بن زہیر تھے۔ابھی کل تک آپ کے لیے قتل کا فرمان جاری تھا۔اب بارگاہ نبوی سے امان کا حکم صادر ہو چکا تھا۔امان پانے کے بعد آپ نے بارگاہ رسالت مآب میں قصیدہ بانت سعاد پیش کیا تو آپ کو وہ چادر عطا ہوئی جس کے تار تار تارِ جاں کی طرح قیمتی تھے۔دوسری چادر ایک بیمار کو عطاء ہوئی۔یہ خواب کا واقعہ ہے،مگر بیداری میں یہ بیمار شفایاب ہو چکا تھا۔یہ بیمار ایک شاعر تھا اور بوصیری کہلاتا تھا۔اُس نے بیماری کی حالت میں آپ کی بارگاہ میں قصیدہ کہا تھا۔آپ کے لمس نے شفا سے مایوس شخص کو صحت عطاء کر دی تھی۔دونوں چادریں ہی اُن کا مقدر ہوئیں جو ابھی کل تک مایوسی کے عالم میں تھے۔چادر پانے کے بعد وہ جس عالم میں پہنچے،اس کو ایک عالم جانتا ہے۔دونوں خوش نصیب شاعروں اور ان کے قصائد کو تاریخ ادب کے ساتھ ساتھ تاریخ عالم میں جگہ نصیب ہوئی۔

حضرت کعبؓ بن زہیر کا واقعہ بھی عجیب سا ہے۔ان کے واقعے میں عبرت و موعظت اور شکر و انعام کے کئی حوالے زندہ ہیں۔زہیر بن ابی سلمٰی کے دو بیٹے تھے۔کعب اور بجیر۔دونوں تلاشِ حق میں نکلے،مگر خدا جانے کس چیز نے کعب کے قدم روک لئے۔بجیر آگے بڑھ گئے اور دربارِ رسالت میں پہنچ کر ایمان لے آئے۔کعب پیچھے رہ گئے۔انہوں نے اپنے بھائی بجیر اور اُس کے ساتھ ساتھ سرکارِ دو عالم کی ہجو میں شعر کہے۔عرب میں شاعری اور ادب ہی ابلاغ کا واحد ذریعہ تھا۔شاعر کی بات کانوں کان پھیل جاتی۔کعب نے اسلام کے خلاف نشر و اشاعت کے محاذ پر دل کھول کر کام کیا۔ایک بھائی اسلام کا فدائی اور شیدائی تھا۔یہ اسلام کے خلاف طنز کے تیر و نشتر اور غیض کے توپ و تفنگ چلا رہا تھا۔طعن اور طعنہ

عربی میں نیزے کی نوک کو کہتے ہیں۔کعب کے اشعار نیزے کی نوک بن گئے۔ یہ خود بھی شاعر تھے،ان کے والد زہیر شاعر ہی نہیں اشعر الشعراء تھے۔معلقات کے سات شاعروں میں سے ایک تھے۔

زہیر بن ابی سلمیٰ:

کعب کا والد زہیر بن ابی سلمیٰ امراؤ القیس اور نابغہ زبیانی کے ساتھ دورِ جاہلیت کے تین بڑے شعراء میں شمار کیا جاتا ہے اور بہت سی باتوں میں ان پر فوقیت رکھتا ہے۔زہیر کے مزاج میں قناعت اور شرافت تھی۔وہ دانا اور معلم اخلاق تھا۔وہ نہ تو بے سبب کسی کی مدح کرتا اور نہ ہی کسی کی ہجو بیان کرتا۔ وہ امن کا متلاشی اور جنگ سے نفرت کرنے والا تھا۔زمانہ جاہلیت میں عرب کے دو قبائل عیس اور ذبیان کے مابین طویل عرصے سے جنگ چلی آ رہی تھی۔دو سرداروں حارث بن عوف اور ہرم ابن سنان نے انتہائی کوشش سے اس جنگ کو صلح میں بدل دیا۔انھوں نے مقتولین کے قصاص کے طور پر تین ہزار اونٹ اپنے پاس سے ادا کر دیئے۔اس واقعہ نے زہیر کو بہت متاثر کیا اور اس نے ان دو سرداروں کے ایثار، فیاضی اور امن پسندی کی بے حد تحسین کی۔زہیر نے ہرم کی تعریف میں خصوصیت سے بہت سے شعر کہے۔ہرم نے اسے انعام واکرام سے نوازا اور ساتھ ہی یہ قسم کھائی کہ زہیر جب بھی اس کی مدح کرے گا یا اس سے کچھ مانگے گا یا اسے صرف سلام ہی کرے گا تو وہ اسے غلام،لونڈی یا گھوڑا انعام میں دے گا۔

زہیر اس قدر سیر چشم تھا کہ وہ کسی ایسی مجلس میں جاتا جس میں ہرم موجود ہوتا تو یوں سلام کرتا:

''آپ سب لوگوں پر میرا سلام ہو،سوائے ہرم کے اور آپ میں سے جو بہترین تھا، میں نے اس کو مستثنیٰ کر دیا ہے۔''

زہیر کے کلام کے بارے میں سیدنا عمرِ فاروقؓ کا یہ تبصرہ بھی بہت خوب ہے کہ ایک بار آپ نے ہرم بن سنان کے بیٹے سے ہرم کی تعریف میں زہیر کے اشعار سنانے کے لئے کہا۔وہ شعر سناتا رہا۔یہ اشعار سن کر سیدنا عمر فاروقؓ نے کہا:''زہیر تم لوگوں کی مدح میں خوب شعر کہتا تھا۔''ہرم کے بیٹے نے کہا:''خدا کی قسم،ہم لوگ بھی اس کو خوب دیتے تھے۔''سیدنا عمر فاروقؓ نے فرمایا''تم نے جو کچھ اسے دیا وہ تو ختم ہو چکا اور اس نے جو کچھ تمہیں عطا کیا،وہ باقی ہے۔''

زہیر خوش اخلاق،نرم مزاج، بردبار،صائب الرائے، پاک باز اور صلح پسند ہونے کے علاوہ

اللہ اور روزِ قیامت پر یقین رکھنے والا تھا۔ یہی خداشناسی اور عاقبت اندیشی اُسے شعرائے جاہلیہ میں منفرد کردیتی ہے۔ معلقہ کے ان اشعار سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ وہ ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت سے بہرہ ور تھا۔ وہ کہتا ہے:

فلاتکتمن اللہ مافی صدور کم

لیخفیٰ و مہما یکتم اللہ یعلم

یوخر فیوضع فی کتاب فیدخر

لیوم حساب اویعجل فینتقم

ترجمہ: جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے، وہ اللہ سے ہرگز نہ چھپاؤ، اس خیال سے کہ وہ مخفی رہے۔ اس لیے کہ جو کچھ بھی اللہ سے چھپایا جائے گا، وہ اُسے جان لے گا۔ یا تو اسے تاخیر میں ڈالا جائے گا اور ایک کتاب میں لکھ کر یوم حساب تک محفوظ کردیا جائے گا یا پھر اس سے جلد نمٹا جائے گا اور یہیں اس کی سزا دی جائے گی۔

بہرحال زہیر کا کلام حقائق و حکمت، دانش و بینش اور بصارت و بصیرت سے بھرا ہوا ہے۔ زہیر ہجرت رسول ﷺ سے گیارہ سال پہلے فوت ہوگیا۔ اس کے دونوں بیٹے بجیر اور کعب اسلام لے آئے۔ بجیر نے سبقت کی اور کعب نے تاخیر۔ یہ تاخیر ہی اُن کے لئے وبال بن گئی۔ اس تاخیر میں وہ رسالت مآبؐ کے بارے میں نامناسب باتیں کہتے رہے۔ بجیرؓ چاہتے تھے کہ ان کا بھائی مسلمان ہو جائے، مگر کعب اِدھر اُدھر بھاگے پھرے۔ فتح مکہ کے بعد جب کفر اور کفار پر عرب کی زمین اپنی تمام وسعتوں کے باوصف سکڑ اور سمٹ گئی۔ صحرا کی پہنائیاں کفر کے لئے تنگ پڑ گئیں۔ کعب پناہ کی تلاش میں بھاگے پھرے، مگر پناہ کہاں۔ آخر رسالت مآب ﷺ کے دامن بندہ نواز سے عفوخواہ ہوئے۔

کعب بن زہیر اور نبی ﷺ

ابنِ اسحاق لکھتے ہیں: جب رسول ﷺ طائف سے واپس تشریف لائے تو بجیرؓ بن زہیر نے جو مسلمان ہو چکے تھے اور مخلص مسلمان تھے، اپنے بھائی کعب بن زہیر کو ایک خط کے ذریعہ اطلاع دی کہ آنحضرت ﷺ نے مکہ میں ان تمام آدمیوں کو قتل کروا دیا جو آپ کی ہجو کیا کرتے یا آپ کے درپے آزار ہوا کرتے تھے۔ جبکہ ابن الزبعریٰ اور زہیر بن ابی وہب، جو قریشی شعراء میں سے بچ گئے تھے، بھاگ گئے ہیں۔ لہٰذا اگر تمہیں جان کی امان چاہیے تو رسول عربی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤ۔ کیونکہ جو شخص تائب ہو کر آپ کی خدمت میں حاضر ہو جائے، آپ اسے قتل نہیں کرتے۔ کعب بن زہیر نے اس خط کے جواب میں اپنے بھائی کو یہ اشعار لکھ کر روانہ کر دیے۔

الاابلغا عنّی بحیرا رسالۃ فھل لک فیما قلت و یحک ھل لکا

''خبردار! تم دونوں میری طرف سے بجیر کو یہ پیغام دے دو کہ جو بات میں نے کہی تھی، تم اس پر غور نہیں کرو گے؟''

فبین لنا ان کنت لست بفاعل علیٰ ایّ شی ء غیر ذٰلک دلکا

''اگر تم یہ کام نہیں کرنے والے، تو ذرا واضح تو کرو کہ وہ کون سی چیز ہے، جو تمہارے لیے باعث راہنمائی بن سکتی ہے؟''

علیٰ خلق لم تلف اما و لا اَبا علیه و لم تلف علیه اَخالکا

''یہ ایسی بات ہے جس پر تمہاری ماں تھی، نہ باپ، اور نہ ہی بھائی!''

فان کنت لم تفعل فلست بآسف و لا قائل اما عثرت لعالکا

''اگر تم ایسا نہ کرو گے تو مجھے افسوس نہ ہو گا۔ اور نہ ہی تمہاری لغزش پہ تمہیں سنبھل جانے کے لئے کہوں گا!

سقاک بھا المامون کا ساروية فانھلک المامون منھا و علکا

''مامون (جس سے امن طلب کیا جاتا ہے) نے تجھے سیراب کر دینے والے جام پلائے

ہیں۔ اور یہ جام اس نے تمہیں بار بار پلائے ہیں!''

بجیرؓ کے پاس جب بھائی کا یہ جواب آیا تو انہوں نے اسے رسول ﷺ سے مخفی رکھنا پسند نہ کیا۔ چنانچہ آپؐ نے کعب کے یہ الفاظ ''سقاک بہ المامون'' سن کر فرمایا: اگر چہ وہ جھوٹا ہے، لیکن اس نے یہ بات سچ کہی ہے۔ کیونکہ میں، مامون، ہوں'' اور جب آپ نے اس کا یہ مصرع سنا کہ: ''علیٰ خلق لم تلف اما ولا ابا'' تو آپ نے فرمایا: ''ہاں اس نے اپنے ماں باپ کو اس بات پر نہیں پایا''۔ پھر بجیرؓ نے اپنے بھائی کعب کو لکھا:

من مبلغ کعبا فھل لک فی التیّ تلوم علیھا باطلا وھی احزم

''کون ہے، جو کعب کو یہ پیغام پہنچا دے کہ جس بہترین بات پر تم ناحق ملامت کر رہے ہو، اسے قبول نہیں کرو گے؟''

الی اللہ لاالعزیٰ واللات وحدہٗ فتنجوا اذا کان النجاء و تسلم

''اگر تم نجات پانا چاہتے ہو تو عزیٰ اور لات کو چھوڑ کر اللہ وحدہٗ کی طرف رجوع کرو نجات بھی پاؤ گے اور سلامت بھی رہو گے۔''

لدیٰ یوم لاینجو ولیس بمفلت من الناس الاطاھر القلب مسلم

''اس دن جبکہ پاک دل مسلمان کے سوا کوئی بھی فلاح و نجات نہیں پا سکے گا!''

فدین زھیر و ھو لاشیٔ دینہ ودین ابی سلمی علی محرم

''زہیر کا دین کوئی دین نہیں تھا، اسی طرح میرے باپ ابوسلمی کا دین مجھ پر حرام ہے!''

جب کعب کو بھائی کا یہ جواب ملا، تو زمین اسے خود پر تنگ محسوس ہونے لگی۔ اسے عافیت اسی بات میں نظر آئی کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپؐ کی مدح کرے۔ وہ مدینہ کی طرف روانہ ہوا، اور وہاں پہنچ کر جہینہ کے اپنے ایک واقف شخص کے ہاں قیام کیا۔ پھر اس کی معیت میں رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضری دی۔ آنحضرت ﷺ کعب کو پہچانتے نہیں تھے، لہٰذا وہ چپکے سے آپؐ کے سامنے آ کر بیٹھ گیا اور عرض کیا: یا رسول اللہ! ''کعب بن زہیر اب مسلمان ہو کر آیا ہے، اگر میں اس کو آپؐ کی خدمت میں لے آؤں تو کیا آپؐ اسے امان دے دیں گے؟'' آپ نے فرمایا: ''ہاں!'' اس پر

وہ بولا: ''اللہ کے رسولؐ، میں ہی کعب بن زہیر ہوں۔''

ابنِ اسحاق لکھتے ہیں: عاصمؓ بن عمرو بن قتادہ کہتے ہیں، یہ سن کر ایک انصاری صحابیؓ جوش میں آ گئے۔ کہنے لگے: ''یا رسول اللہ، مجھے اجازت دیجئے، میں اس دشمن خدا کی گردن اُڑا دوں گا۔'' آپؐ نے فرمایا: ''اسے چھوڑ دو، یہ اپنے سابقہ رویے سے تائب ہو کر ہمارے پاس آ گیا ہے۔'' اس انصاری صحابی کی اس بات کے پیش نظر کعبؓ ان کے قبیلہ سے ناراض ہو گئے تھے۔ جبکہ مہاجرین میں سے کسی نے ان کی بابت خیر کے علاوہ کچھ نہیں کیا۔

اس موقع پر کعب نے خدمت نبویؐ میں اپنا مشہور و معروف قصیدہ پیش کیا جو یوں ہے:

بانت سعاد فقلبی الیوم متبول   متیم اثر ھالم یقدمکبول

''سعاد مجھے داغِ مفارقت دے گئی ہے اور میرا دل بڑا غمگین ہے۔ قید سے رہائی حاصل کر سکتا ہے اور نہ ہی خلاصی کی استقامت رکھتا ہے!''

وما سعاد غداۃ البین اذر حلوا   الاعن غضیض الطرف مکحول

''جوانی کی صبح، جبکہ انہوں نے کوچ کیا، سعاد اپنی سرگیں آنکھوں کو جھکائے ہوئے گنگنا رہی تھی۔''

ھیفاء مقبلۃ، عجزاء مدبرۃ   لایشتکی قصر منھا ولا طول

''گردن دراز کیے آنے والی، لیکن عاجز ہو کر جانے والی۔ جس نے کوتاہ قامت ہونے یا درازیٔ قد کی شکایت نہیں۔''

تمشی الغواۃ بجنبیھا وقولھم   انک یا ابن ابی سُلمی لمقتول

''مفسد لوگ خوش ہو رہے ہیں، اور ان کا کہنا ہے کہ: اے ابن ابی سُلمی: اب تمہیں قتل کر دیا جائے گا!''

وقال کل خلیل کنت املہ   لا اَلھینک انی عنک مشغول

''ہر اس گہرے دوست نے، جس سے مجھے اعانت کی توقع تھی، مجھ سے یہی کہا کہ مجھ سے تعاون کی توقع مت رکھو، کیونکہ میں مشغول ہوں!''

فقلت خلوّ سبیلی لا ابالکم   فکل ما قدر الرحمن مفعول

’’تو میں‘‘ نے کہا، میری راہ چھوڑ دو، تمہارا باپ نہ رہے، رحمان نے میرے لیے جو کچھ مقدر کر رکھا ہے، وہی ہو کر رہے گا!‘‘

کل ابن أنثى و ان طالت سلامته　　　يوما علىٰ الة حدباء محمول

’’ہر عورت زاد، خواہ اس کی صحت و سلامتی کتنی ہی دراز کیوں نہ ہو جائے، ایک دن ضرور میت والی چارپائی پر اٹھایا جائے گا۔‘‘

نبّئت اَن رسولَ الله اوعدني　　　والعفو عند رسولَ الله مأمول

’’مجھے خبر ملی ہے کہ رسول اللہؐ نے مجھے قتل کرنے کا اعلان فرمایا ہے، حالانکہ مجھے آپؐ سے معافی کی توقع ہے۔‘‘

هلا هداک الذی اعطاک نافلة　　　القر آن فيها مواعيظ و تفصيل

’’ذرا ٹھہریئے، وہ ذات آپ کو مزید ہدایت بخشے، جس نے نبوت کے علاوہ آپ کو قرآن مجید عطا فرمایا ہے۔ جس میں مواعظ اور تفصیل ہے!‘‘

لاتاخذنی باقوال الوشاة ولم　　　اذنب ولو كثرت فی الاقاويل

’’غیبت کرنے والے لوگوں کی بناء پر میرا مواخذہ نہ فرمایئے گا۔ میرے بارے میں بہت کچھ کہا گیا ہے، لیکن میں نے کوئی گناہ نہیں کیا!‘‘

لظل یر عدالا ان يكون لهٗ　　　من الرسول باذن الله تنويل

’’تو وہ بھی کانپنے لگے، الا یہ کہ اس کھڑے ہونے والے کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے رسولؐ کی طرف سے بخشش عطا ہو جائے!‘‘

حتى وضعت يمينی مااناز عها　　　فی كف ذی نقمان قوله القيل

’’حتیٰ کہ میں نے اپنا ہاتھ بدلہ لینے والی ہتھیلی میں دے دیا، جسے میں چھڑانے والا نہیں ہوں۔ کیونکہ آپ کی بات ہی اصلی بات ہے!‘‘

فلهو اَخوف عندی اذا كلمة　　　وقيل انک منسوب و مسئول

’’یہ بات میرے لیے انتہائی خوفناک ہے، کہ میں آپؐ سے گفتگو کروں، تو کہا جائے کہ تیری طرف سے یہ باتیں منسوب ہیں۔ اور تجھ سے سوال کیا جائے گا۔‘‘

من ضیغم من ضراء الاسد مخدرہ　　فی بطن عثر غیل دونہٗ غیل

''اس وقت آپ میرے لیے گھنے جنگل میں رہنے والے شیر سے بھی زیادہ ہیبت ناک تھے، جس کا کچھاو بطن عثر میں ہو اور وہاں درختوں کی جھاڑیاں ایک دوسرے کے قریب اور متصل ہوں۔''

ان الرسول لنور یستضاء بِہٖ　　مھند من سیوف اللہ مسلول

''بے شک اللہ کے رسول ایسا نور ہیں کہ جس سے راہ حق تلاش کی جاتی ہے۔ وہ اللہ کی تلواروں میں سے ایک سونتی ہوئی ''ہندی تلوار ہیں۔''

فی عصبۃ من قریش قال قائلھم　　ببطن مکۃ لما اسلمو زولوا

''جماعت قریش میں سے ایک کہنے والے نے کہا: کہ جب اسلام قبول کرلیا ہے، تو اب وادی مکہ سے (مدینہ کی طرف) منتقل ہوجاؤ!''

زالو افمازال انکاس ولا کشف　　عنداللقاء ولا میل معازیل

''(ہجرت کرکے) چلے گئے تو یہ ایسے لوگ نہ تھے کہ جنگ کے موقع پر کمزور اور بے تلوار اور بے ہتھیار ثابت ہوں (بلکہ مضبوط، ماہر جنگ تھے)''

یمشون مشی الجمال الزھر یعصمھم　　ضرب اذا عرد السود التنابیل

''وہ سفید اونٹوں کی طرح چلتے ہیں۔ جب سیاہ رنگت والے کوتاہ قامت لوگ بھاگ جائیں، تو شمشیرزن ان کی حفاظت کرتی ہے۔''

شم العرانین ابطال لبوسھم　　من نسج داؤد فی الھیجا سرابیل

''وہ اونچی ناکوں والے بہادر ہیں۔ میدانِ جنگ میں ان کے لباس حضرت داؤد کی زرہیں، ہیں۔''

بیض سوابغ قد شکت لھا حلق　　کانھا حلق القفعاء مجدول

''یہ زرہیں بڑی چمکیلی اور لمبی لمبی ہیں، جن کے حلقے باہم مضبوط پیوست ہیں۔ گویا وہ ''اقفعاء'' بوٹی (گوکھرو) کے بٹے ہوئے حلقے ہوں۔''

لیسوا مفاریح ان نالت رماحھم　　قوما و لیسوا مجاز یعا اذا نیلوا

''جب ان کے نیزے کسی مدِمقابل قوم کو چھیدتے ہیں، تو وہ اس پر اتراتے نہیں لگتے۔ اسی

طرح زخم خوردہ ہوکردہ جزع فزع بھی نہیں کرتے!''

لایقطع الطعن الافی نحور ھم　　　وما لھم عن حیاض الموت تحلیل

''نیزے صرف ان کے سینوں ہی میں پیوست ہوتے ہیں اور وہ موت کے گھاٹوں سے پسپائی اختیار نہیں کرتے!''

ابنِ اسحاق لکھتے ہیں: عاصم بن قتادہ کہتے ہیں: ''اذاعرد السود التنابیل'' سے کعبؓ کا اشارہ انصار کی طرف تھا کیونکہ ان کے ساتھی نے، کعبؓ کے قتل کی بات کہی تھی، لیکن مہاجرین کی انھوں نے تعریف کی: اس پر انصار ان سے ناراض ہو گئے۔ بہرحال مسلمان ہونے کے بعد کعبؓ نے، رسول اللہ ﷺ کی معیت میں انصارؓ کے مبتلائے آلام ہونے کا ذکر کرتے ہوئے ان کی مدح میں درج ذیل اشعار کہے:

من سرّہ کرم الحیوۃ فلایزل　　　فی متفب من صبالحی الانصار

''جسے باعزت زندگی بسر کرنا خوشگوار معلوم ہوتا ہو، اُسے چاہیے کہ انصار کے صالح مجاہدین سواروں کے ساتھ رہے۔''

ورثوا المکارم کا براعن کابر　　　ان الخیار، ھم بنوا الاخیار

''انہوں نے مکارمِ اخلاق اپنے آباؤاجداد سے ورثہ میں پائے ہیں۔ بلاشبہ ''بہترین لوگ'' صرف انصار کی نسل کے لوگ ہیں۔''

المکرھین ا لسھری باذرع　　　کسو الف الھندی غیر قصار

''یہ اپنے ہاتھوں سے سمہری نیزوں کو، جو لمبی لمبی ہندی تلواروں کے کناروں کی طرح ہیں خوب چلاتے ہیں۔''

والناظرین باعین معمرۃ　　　کالجمر غیر کلیلۃ الابصار

''وہ دشمن کی طرف سرخ انگارہ ایسی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور اس کی وجہ یہ نہیں ہوتی کہ ان آنکھوں میں کمی ہے!''

والبائین نفوسھم لنبیھم　　　للموت یوم تعانق و کرار

''جنگ وجدال کے دن وہ اپنی جانوں کو اپنے نبیؐ کی حفاظت کے لئے موت پر پیش کر

دیتے ہیں!''

يتطهرون يرونهٔ نسكالهم بدماء من علقوا من الكفار

''وہ کفار کے خون کے ساتھ وضو کرتے ہیں اور اسے وہ عبادت خیال کوتے ہیں۔

دربوا كمادربت ببطن خفية غلب الرقاب من الاسود ضوار

''یہ دشمنوں کا شکار کرنے کے اسی طرح عادی ہو گئے ہیں، جس طرح کچھار میں موٹی اور بھری ہوئی گردن والے، چیر پھاڑ کرنے والے شیر عادی ہیں۔''

واذا حللت ليمنعوك اليهم اصبحت عند معاقلا لاغفار

''جب تو ان کے ہاں اس لیے اُترے کہ وہ تیری حفاظت کریں، تو گویا تو پہاڑی بکروں کے بچوں کی حفاظت گاہ میں پہنچ گیا۔''

ضربوا عليها يوم بدر ضربة دانت لوقعتها جمع نزار

''بدر کے دن انھوں نے (لڑائی کے وہ جوہر دکھائے اور) ایسی جنگ لڑی کہ بنو نزار کے لشکر سرنگوں ہو گئے۔''

لو يعلم الاقوام علمي كلهٔ فيهم لصدقني الذين امارى

''اگر لوگوں کو ان کے بارے میں مجھ ایسا مکمل علم حاصل ہو جائے تو وہ لوگ بھی میری تصدیق کریں، جو (ان کے بارے میں) مجھ سے حجت کرتے ہیں۔''

قوم اذ اخوت النجوم فانهم للطارقين النازلين مقارى

''یہ ایسی قوم کی افراد ہیں، جو قحط سالی اور تنگی و ترشی کے ایام میں بھی ستارے ٹوٹنے کے وقت اچانک آ جانے والے مہمانوں کے لئے دیگیں چڑھا دیتے ہیں۔''

ابن ہشام کہتے ہیں، کہا جاتا ہے کہ جب کعبؓ نے ''بانت سعاد'' سے شروع ہونے والا قصیدہ پڑھا، تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''تو نے انصارؓ کا ذکر خیر کیوں نہیں کیا؟ حالانکہ وہ اس کے اہل ہیں''، تو انہوں نے انصارؓ سے متعلق مذکورہ بالا اشعار کہے۔ ابوبکر بن الانباری کی روایت میں ہے، جب کعبؓ اس شعر پر پہنچے:

ان الرسولَ لنور يستضاء به وصارم من سيوف الله مسلول

''تو رسولﷺ نے اپنی وہ چادر، جو آپ نے اوڑھ رکھی تھی، ان پر پھینکی جسے حضرت معاویہؓ نے دس ہزار درہم میں خریدنے کی پیش کش کی۔ اور کہا کہ:

میں نہیں چاہتا، رسول اللہﷺ کی چادر کوئی دوسرا شخص اوڑھے!'' مگر انھوں نے یہ چادر دینے سے انکار کر دیا۔ جب کعبؓ فوت ہو گئے تو حضرت معاویہؓ نے ان کے ورثا کی طرف بیس ہزار درہم بھیج کر یہ چادر ان سے حاصل کر لی۔ کہا جاتا ہے کہ یہ چادر آج تک سلاطین کے پاس محفوظ ہے۔
کعبؓ بن زہیر کے نسب نامے کو دیکھا جائے تو وہ مشہور شعراء کے قبیلے میں نظر آتے ہیں، ان کے باپ کا نام زہیر، بیٹے کا نام عقبہ اور ان کے پوتے کا نام عوام بن عقبہ ہے۔

کعب کو رحمت کی چادر عطاء ہوئی۔ ایسا انعام تاریخ عرب میں کسی سردار نے کسی بھی شاعر کو نہیں دیا۔ چادر کیا تھی، یہ رحمت، عفو، حفاظت، صیانت، رحم، محبت اور ہدایت پر محیط دکھائی دیتی ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے اس چادر نے عالم انسانی کو ڈھانپ لیا ہو۔ شاید اسی لیے عالم انسانی اب بھی عذاب استیصال سے محفوظ و مامون ہے:

لوح بھی تو قلم بھی تو تیرا وجود الکتاب
گنبدِ آبگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب

اس قصیدے کو اس چادر نے بقائے دوام عطا کر دی۔ اب یہ قصیدہ تاریخِ ادب سے نکل کر کہیں آگے، بہت آگے چلا گیا ہے۔



شیخ بوصیری بھی ایک شاعر تھے۔ ان کا اسم گرامی محمد تھا۔ آپ کی کنیت ابوعبداللہ اور شرف الدین لقب تھا۔ اس لیے پورا نام یوں لکھا جاتا ہے۔ شرف الدین ابوعبداللہ محمد بن سعید بن حماد بن المنہاجی بوصیری۔ بوصیر آپ کے والد کا گاؤں تھا۔ یہ مصر کا ایک عام سا گاؤں تھا، مگر آپ کی نسبت سے یہ شہرت عام اور بقائے دوام کا مستحق ہو گیا ہے۔ آپ اپنے ننھیالی گاؤں دلاص میں پیدا ہوئے۔ اسی نسبت سے بعض تذکرہ نگاروں نے آپ کو دلاصی بھی لکھا ہے۔ آپ نسلاً عرب نہیں تھے بلکہ آپ بربر نسل سے تعلق رکھتے تھے۔

امام بوصیری یکم شوال ۶۰۸ھ کو پیدا ہوئے۔ عیسوی تقویم کے مطابق ۷ مارچ ۱۲۱۲ء آپ کی تاریخ پیدائش قرار پائی ہے۔ آپ کی تعلیم کا آغاز حفظ قرآن سے ہوا۔ آپ بوصیر میں قرآن حفظ کرنے کے بعد مزید تعلیم کے لیے قاہرہ گئے۔ وہاں آپ نے دینی اور عقلی علوم کی تعلیم پائی اسی لیے آپ کو ایک شاعر کے طور پر ہی نہیں، ایک محدث کے طور پر بھی شہرت حاصل ہوئی۔ آپ کے اشعار بھی اسی بات پر گواہ ہیں کہ آپ علم حدیث سے بہرہ ور تھے۔ علوم کے علاوہ آپ نے کتابت میں بھی مہارت تامہ حاصل کی۔ آپ کو اس فن سے گہرا شغف تھا۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے اپنے اشعار میں خطاطی کی اصطلاحات سے معنی آفرینی کی ہے۔

آپ نے تحصیل علم کے بعد مکتب کا آغاز کیا، مگر آپ کا شوقِ کتابت تدریس پر غالب آ گیا۔ آپ نے کتابت اور تجارت کو معاش کی فراہمی کا ذریعہ بنایا۔ کتابت اہل حکم تک رسائی کا ذریعہ بنی اور آپ نے اہلِ حکم سے جو کچھ حاصل کیا، وہ یقیناً امت اور انسانیت کے لئے کارِ زیاں نہ ہوگا۔ آپ کی دربار تک رسائی کوئی منفی سرگرمی نہ تھی جس پر سبط الحسن ضیغم یوں طنز کرتے ہیں:

> ''امام بوصیری اپنی خطاطی، قصیدہ گوئی، ہجو گوئی اور موثر شعری تخلیقات کی وجہ سے غیر معمولی درباری قرب حاصل کر چکے تھے۔ درباری لوازمات سے متمتع ہونے کی وجہ سے ان پر فالج کا حملہ ہوا جس سے جسم کا نصف حصہ مفلوج ہو گیا۔''(۱)

یہاں صرف دعوے ہی دعوے ہیں، دلیل یا ثبوت کوئی نہیں، حالانکہ اس قصیدے کے بہت سے اشعار جناب ضیغم کے دعووں کی تردید کے لیے کافی ہیں۔ آپ عالمِ قرآن اور عالمِ حدیث تھے۔ اگرچہ آپ متکلم بھی تھے، مگر عقائد میں محدثین کے پیروکار تھے۔ اس لیے علم کلام میں آپ احتیاط کا دامن ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ ان کے ہاں اُن کے زمانے کی کلامی بحثوں کی طرف بلیغ اشارے ملتے ہیں۔ آپ کا علم گہرا، عقیدہ راسخ اور عمل صالح تھا۔ جس کی گواہی اس قصیدے کے اشعار سے ملتی ہے۔ اس کے باوجود ان کے اعمال پر نقد کرنا ناقابل فہم ہے۔

دراصل اسلامی تاریخ سے نفرت کا اظہار ہے جو سبط الحسن ضیغم کے قلم سے بے ارادہ ہو جاتا ہے۔ اس معاملے میں وہ یقیناً لائق اعتناء نہیں۔ بوصیری کس دور میں کن درباروں سے منسلک تھے۔ اس مقصد کے لئے ساتویں صدی ہجری یعنی تیرھویں صدی عیسوی کی عالمی سیاسی صورتِ

حال کا مطالعہ کرنا چاہئے۔

تیرھویں صدی عیسوی میں آج کی طرح عالم اسلام صلیبی یلغاروں کی زد میں تھا۔ اس وقت عیسوی دنیا میں ایک غیض اور غضب کی فضا تھی اور وہ عالم اسلام اور مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کے خواب دیکھ رہے تھے۔ کتاب حکمت اور آفتاب زندہ قرآن حکیم کی یہ بات کس قدر سچ ہے:

''وَلَنْ تَرْضٰی عَنْکَ الْیَھُوْدُ وَالنَّصَارٰی حَتّٰی تَتَّبِعَ مِلَّتَھُمْ''

صلیبی فدا کاروں کے لشکرِ جرار مسلمانوں کو تہہ تیغ کرنے کے لئے سیلاب بلا کی طرح بڑھ رہے تھے۔ کم سن عیسائی فدا کار جنونی انداز میں فدا کاری کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ ان کے لشکروں کی یلغار امام بوصیری کے وطن پر اس وقت ہوئی جب امام ابھی پانچ سال کے تھے۔ مصر پر کامل ایوبی کی حکومت تھی۔ عیسوی دنیا سے اس کے دوستانہ تعلقات تھے، مگر یہ کب مسلمانوں کے دوست بنے تھے۔ انھوں نے تاخت و تاراج کے لئے کامل ایوبی کا وطن تلاش کیا۔ مسیحی طوفان بلا خیز کی طرح بڑھے، مگر کامل ایوبی کی افواج نے اس طوفان کو روک دیا۔ امام بوصیری کے بچپن کا یہ واقعہ یقیناً ان کی یادداشت کا حصہ رہا۔ دس سال بعد جرمنی کے فریڈرک نے دوسرا حملہ کیا۔ یہ چھٹی صلیبی یلغار تھی۔ بادشاہ نے اس سے کسی طور جان چھڑا لی۔ اس کے مزید سترہ سال بعد، جب بوصیری بتیس سال کے تھے، مصر کے نئے حکمران صالح ایوبی نے صلیبیوں سے بیت المقدس کو آزاد کرا لیا۔ صالح ایوبی کے بارے میں پروفیسر فروغ احمد لکھتے ہیں:

''ساتویں صلیبی یلغار کا آخری جوش و خروش اسی کا ردِ عمل تھا۔ مصر نے بڑی بے جگری سے اسے بھی سہار لیا اور صالح ایوبی نے باسی کڑھی کے اس آخری ابال کو ۱۲۴۹ء میں ایسا ٹھنڈا کیا کہ اس طوفان نے پھر مدتوں ادھر کا رخ نہ کیا۔'' (۲)

اس وقت امام بوصیری کی عمر ۳۷ برس تھی۔ یہ تھا وہ زمانہ اور یہ تھے اس زمانے کے سیاسی حکمران۔ ان کے درباروں میں بھی جہاد فی سبیل اللہ کی صدائے رستخیز سنائی دیتی ہوگی، مگر سبط الحسن ضیغم دانش فروزی یوں فرماتے ہیں:

''درباری زندگی اور حکمرانوں کے قرب کے نتیجے میں درباریوں کو بھی حکمرانوں کی خوشنودی کے حصول میں لہوولعب سے واسطہ پڑتا تھا اور آج بھی ایسا ہی ہے۔''(۳)

اس فقرے میں واضح تر اشارے امام بوصیری کی دربار سے منسلک زندگی کی جو تصویر کھینچتے ہیں، اس پر لاحول ولاقوۃ کے علاوہ کیا کہا جاسکتا ہے۔ سبط الحسن ضیغم اگلے ہی صفحے پر وفاۃ الوفیات کے حوالے سے امام بوصیری کا یہ قول نقل کرتے ہیں:

''نعت گوئی میں کئی قصیدے تصنیف کیے۔ ان میں کچھ زین الدین یعقوب ابن الزہری کو پڑھ کر سنائے جو درجہ وزارت پر متمکن تھے۔''(۴)

اب جو وزیر اپنے قصیدے سننے سے زیادہ نعتیہ قصیدے سننے میں دلچسپی رکھتا ہو اور جو شاعر وزیر کے دربار میں اس کے قصائد سنانے کی نسبت نعتیہ قصائد سنانے کا ذوق رکھتا ہو، وہ کیا لہو ولعب کا شکار ہوں گے۔ اس لیے وثوق سے کہا جاسکتا ہے کہ بوصیری کا دربار سے تعلق اعلائے کلمۃ اللہ اور خدمت خلق کے لئے ہوگا، نہ کہ لہوولعب کے لئے۔

صلیبیوں کی مہمات اور اہلِ مصر کے جہاد کا تذکرہ تو ہو چکا۔ اب ذرا فکری دنیا کا احوال بھی ملاحظہ ہو۔ یہود ونصاریٰ جب ہاتھ سے تلوار رکھنے پر مجبور ہوں تو قلم تھام کر اسلام کے خلاف زہرِ باطن کاغذ پر رقم کرنے بیٹھ جاتے ہیں یا پھر مسلمانوں میں ایسے فکری مسائل ومباحث پیدا کرتے ہیں جن کا حاصل صرف یہ ہوتا ہے کہ بعض برخود غلط قسم کے دانشور تاویل سے قرآن کو پاژند بنا دیں۔ عباسی عہد میں مسلمانوں میں کچھ لاحاصل بحثیں رواج پا گئیں۔ پھر آخر کار یہ تمام بحثیں قصۂ پارینہ ہو گئیں۔ شیخ بوصیری کے زمانے میں پھر یہی بحثیں زندہ ہو گئیں۔ قرآن مجید کے حادث وقدیم ہونے کی بحثیں اور اخوان الصفا کے متجددانہ نظریات پھر سے زندہ ہو گئے۔

☆☆☆☆

مسلمانوں میں باطنی تحریکات اور سلف صالحین کے طریقے کے برعکس قرآن کی آیات کی علامتی و تمثیلی توضیحات وتشریحات وہ ورثہ ہے جو یہودیت اور نصرانیت مٹتے مٹتے (مشرق وسطیٰ میں) اسلام کے لیے چھوڑ گئے۔ سچ کہا تھا غالب نے:

ملتیں جب مٹ گئیں اجزائے ایماں ہوگئیں

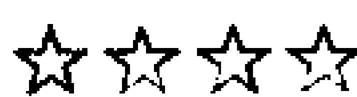
محمد سعید دہلوی نے اسماعیلیت اور شیعیت کو ایرانی پیداوار قرار دینے کی بجائے یہودیت اور عیسائیت کا ترکہ اور ورثہ قرار دیا ہے اور اُن علاقوں کو اِن عقائد ونظریات کا مرکز قرار دیتے ہیں جو یہودیت ونصرانیت کے مراکز رہے تھے۔ لکھتے ہیں:

شیخ بوصیری کے زمانے میں جب وہ متروک مباحث اسلام کے ماحول میں زندہ ہوگئے تو شیخ سنت کے جادۂ قویمہ اور محدثین کے طریقہ راسخہ پر مضبوطی سے قائم رہے۔ یہ شیخ کے مکتب کی کرامت بھی تھی اور اس زمانے کے ممتاز بزرگ حضرت ابوالعباس المرسی کا فیضان نظر بھی ہوسکتا ہے۔ حضرت ابوالعباس شیخ کے زمانے میں مسند ارشاد پر فائز تھے۔ نکلسن کے بقول ان کے حلقہ ارادت میں محمد البوصیری بھی شامل تھے۔ بہر حال شیخ نے جو آداب سیکھے، وہ حبل اللہ سے اعتصام کے آداب تھے۔ اس کی جھلک ان کے قصیدے میں دیکھی جاسکتی ہے کہ کس طرح وہ محتاط انداز میں صراطِ مستقیم پر چلتے نظر آتے ہیں۔ تجدد پسندی کے فتنوں کا جو دروازہ سرسید احمد خاں کے زمانے میں کھلا اور پھر اب تک بند نہیں ہوسکا۔ اسی تجدد پسندی کے زیر اثر کتنے ہی لوگ خودرائی میں گمراہی کا شکار ہوئے۔ شیخ بوصیری کا ذوق حدیث کامل تھا اور علم استوار تھا۔ وہ جانتے تھے کہ دین میں اصل سند روایت ہے اور روایت کا علم روایت کے مستند نمائندوں سے حاصل کرنا چاہیے جیسا کہ محمد حسن عسکری لکھتے ہیں:

''بنیادی علوم کو تحریری شکل میں بھی ضبط کرلیا جاتا ہے، چاہے ان علوم سے واقفیت کا دائرہ ایک خاص طبقے تک ہی محدود رکھا جائے، چاہے ان علوم کی تعلیم کی عام اجازت دے دی جائے۔ جیسے اسلام میں۔ بہر صورت ان علوم کی تعلیم روایت کے مستند نمائندوں سے براہ راست حاصل کی جاسکتی ہے۔'' (۵)

بوصیری نے یہ علم روایت کے مستند نمائندوں سے حاصل کیا تھا۔

☆☆☆☆



شیخ بوصیری کے قصیدہ بردہ شریف کی تخلیق کے بارے میں ایک عجیب کہانی بیان کی جاتی ہے۔ بہت سے تذکرہ نگاروں نے یہ کہانی یوں بیان کی ہے، کہ ایک دفعہ بوصیری علیہ الرحمہ پر فالج کا حملہ ہوا۔ اس سے ان کے دھڑ کا ایک حصہ بالکل مفلوج ہوگیا۔ وہ بڑی تکلیف میں تھے۔ انھوں نے حضور اکرم ﷺ کے وسیلے سے اللہ سے دعا کرنے کا سوچا اور روتے ہوئے آنحضرتؐ کی خدمت اقدس میں ایک قصیدہ پیش کیا۔ آپ نے اللہ سے دعا کی کہ وہ انھیں اس مرض سے نجات دے۔ رات کو سوئے تو خواب میں دیکھا کہ آنحضرت ﷺ تشریف لائے۔ آپ کے مفلوج جسم پر ہاتھ پھیرا اور اس پر ایک چادر ڈال دی۔ بوصیری کے جسم کا بال بال خوشی سے جھوم اٹھا اور وہ قطعی طور پر صحت یاب ہو چکے تھے۔ کعب ابن زہیر کے لئے چادر عفو و عافیت بنی تھی۔ بوصیری کے لئے آپ کی چادر صحت و شفا بن گئی۔ بوصیری نے یوں محسوس کیا۔ جیسے وہ کبھی بیمار ہی نہ ہوئے تھے۔ وہ شُکر کے جذبے میں شرابور ہو گئے۔

بیماری سے صحت یابی کے بعد کا واقعہ اس سے بھی عجیب تر ہے۔ تذکرہ نگار لکھتے ہیں کہ شیخ صحت یاب ہو کر صبح کو اٹھے تو سیر کے لئے چل دیئے۔ راستے میں ایک بزرگ سے ملاقات ہوئی۔ انھوں نے سلام اور دعا کے بعد قصیدہ طلب کیا۔ آپ نے پوچھا کون سا قصیدہ؟ ان بزرگ نے اسی قصیدہ کا پہلا مصرع پڑھا۔ آپ یہ بات سُن کر حیران ہوئے۔ ابھی تک تو کسی سے اس کا تذکرہ بھی نہ ہوا تھا۔ ان بزرگ کو کیسے پتا چلا۔ شیخ نے حیرت سے پوچھا کہ انھیں اس قصیدے کا علم کیسے ہوا۔ انھوں نے بتایا کہ شیخ بوصیری جب دربارِ رسالت مآب میں یہ قصیدہ پڑھ رہے تھے تو یہ بزرگ بھی وہاں حاضر تھے۔ اس قصیدے میں کچھ ایسے اشعار بھی آئے جن کو سن کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ایسے جھوم جھوم جاتے تھے جس طرح شاخ ثمردار بادِ نسیم کے جھونکوں سے جھومنے لگتی ہے۔ یہ بزرگ کون تھے؟ تذکرہ نگاروں نے ان کا اسم گرامی شیخ ابوالرجا الصدیق لکھا ہے۔ یہ بزرگ اپنے زمانے کے بہت بڑے ولی کامل تھے اور مدینہ منورہ میں زہد کی زندگی بسر کرتے تھے۔

شیخ بوصیری نے یوں تو بہت سے قصائد لکھے ہیں۔ ان میں نعتیہ قصائد بھی شامل ہیں۔ ان میں سے ان کے ہمزیہ کو خاصی شہرت ہوئی، مگر بقائے دوام اسی میمیہ قصیدے کو حاصل ہوئی۔ بوصیری نے اس کا پرتکلف نام تجویز کیا تھا:

الکوکب الدریۃ فی مدح خیر البریۃ

مگر یہ نام تذکروں اور تاریخوں میں رہ گیا۔ حضور کی ردائے مبارک نے اس نام کو ڈھانپ لیا۔ ردا کو عربی میں بردہ کہتے ہیں۔ اس لیے اس قصیدے کا نام قصیدہ بردہ جریدہ عالم پر ثبت ہو گیا۔ یوں یہ قصیدہ اپنے منفرد نام کے ساتھ زندہ ہے۔ حضرت کعبؓ بن زہیر کو بھی حضور کی چادر ملی تھی اور اُن کے قصیدہ بانت سعاد کو زندگی عطا ہو گئی تھی۔ شیخ بوصیری کو بھی چادر عطا ہوئی۔

قصیدے کی تخلیق اور تاثر کا قصہ ہی عجیب تھا۔ شاعر بیمار ہوتا ہے تو شعر کہتا ہے اور شفا پاتا ہے۔ شعر کی تعریف کیا کی جائے۔ اب بھلا شعر تنقید حیات ہوتا ہے۔ اس قسم کے تنقیدی اقوال کہاں جائیں گی، جن میں شعر اور زندگی یا ادب اور زندگی کا تعلق بتایا گیا ہے۔ شعر بیداری میں تخلیق ہوا، خواب میں سنایا گیا اور خواب میں انعام بھی پایا۔ اب بھلا فرائیڈ کی ''Interpretation of Dreams'' کو کہاں لے جائیں۔ وہ خواب جو بیداری کی طرح زندہ ہو۔ اس کی تفہیم کے لئے یہ علوم کہاں کام آئیں گے۔ رویائے صالحہ و رویائے صادقہ کی کس یورپین مصنف کی مدد سے تشریح کی جائے۔ چلو یہ تو ہوا کہ بیداری میں قصیدہ لکھا گیا۔ اب یہ قصیدہ دربارِ رسالت مآب میں پیش کیا جا رہا ہے۔ ایک صاحب اس دربار میں اپنی موجودگی کی خبر دے رہے ہیں۔ کیسی عجیب بات ہے۔ اسے تو اپنے اچھے بھلے اسلامی نظام کا مطالبہ کرنے والے لوگ بھی مان کر نہ دیں۔ سرسید کے تصور فطرت کو ماننے والے بھلا کیسے مانیں۔ سرسید کے نیچر کے اصول ہی غلط ٹھہرتے ہیں۔ یہ عجیب وغریب باتیں ہیں، مگر انھیں ایک عالم مانتا ہے۔ محدثین بھی جرح وتعدیل کے اصول کچھ دیر کے لئے معطل کر کے اس واقعے کو نقل کر دیتے ہیں۔

دراصل ان باتوں کا تعلق ہمارے تصورِ حقیقت سے بنتا ہے۔ ایک زمانے میں ہمارا تصورِ حقیقت بہت وسیع تھا۔ اس میں ان دیکھے جہان اور ان دیکھے زمانے شامل تھے۔ شیخ اکبر حضرت ابن عربیؒ کی فتوحاتِ مکیہ کئی زمان ومکان کی خبر دیتی ہے۔ درقاوی سلسلے کے ایک بزرگ عبدالقادر الصوفی نے اپنی کتاب Hundred Steps میں ایک سو زمان ومکان کی خبر دی ہے۔ اقبال نے بھی کہا تھا:

انھی روز شب میں الجھ کر نہ رہ جا — کہ تیرے زمان ومکاں اور بھی ہیں

اگر ہمارے زمان ومکاں کے علاوہ بھی کہیں کوئی زمین وزماں موجود ہیں تو پھر ایسے واقعے کا

امکان تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ ہمارے ہاں مسلم فلاسفہ نے زمان و مکاں پر بہت اچھی بحثیں اٹھائی ہیں کہ زمان و مکاں کی درایت میں ایسے امکان نظر آنے لگتے ہیں کہ مختلف زمان و مکان کے لوگ کسی ایک زمان و مکان میں یک جا ہو جائیں۔ ایک دربار ہو اور یہ سب درباری ہو کر قصیدہ سن رہے ہوں۔

کیا قصیدہ سننا اور سنانا اتنا ہی ضروری ہے کہ اس کے لیے کہاں کہاں سے لوگ اکٹھے کر کے دربارِ رسالت میں جمع کر دیئے جائیں۔ مولانا حالی نے بہت زور لگایا تھا یہ ثابت کرنے میں کہ شاعری کا ملکہ بے کار نہیں، مگر یہ اتنا ضروری نہیں تھا کہ اس کے لئے اس قدر تردد کیا جائے۔ حالی کیلئے تو یہ آخری منزل تھی کہ شعر قومی ادبار کی حالت میں ممد و معاون ہو جائے۔ اس میں افادیت ہو، مقصدیت ہو اور قوم کی اصلاح کا کام کرتا ہو۔ اگر یہ سب کچھ نہیں تو باقی سب کہانیاں ہیں۔

حالی بھی کیا کمال بزرگ تھے۔ جدیدیت کی باتیں بہت کرتے تھے، مگر خود روایت سے جڑے ہوئے تھے۔ بہت جدید شاعری کی، مگر روایتی شاعری سے پہلو تہی نہ کر سکے۔ وہی عشقیہ شاعری کرتے رہے۔ مسدس لکھی تو کالج کو امت کے مسائل کا حل بتانے کی بجائے کہنے لگے:

اے خاصہ خاصانِ رسل وقت دعا ہے
امت پہ تیری آ کے عجب وقت پڑا ہے

یعنی قومی مسائل کا حل کالج نہیں دعا ہے۔ ان دنوں یہ بات تو ہمارے اچھے بھلے اسلام پسند بھی درست مان کر نہ دیں، مگر ان دنوں علی گڑھ تحریک والے حالی بھی اس قسم کی باتیں کیا کرتے تھے۔ حالی علی گڑھ کا بپتسمہ لینے سے پہلے روایتی آدمی تھے۔ روایتی آدمی روایتی تہذیب پیدا کرتی ہے۔ ہماری روایتی تہذیب عشق اور جہاد کی تہذیب تھی۔ جس میں حسن، عشق اور جہاد بنیادی اقدار ہیں۔ اس قصیدے میں بھی یہی تینوں اقدار زندہ اور پائندہ موجود ہیں۔

خیر اب تو ترقی پسند قصہ پارینہ ہو چکے۔ جب ترقی پسند زندہ تھے تو ادب کی زندگی کا خادم ثابت کیا کرتے تھے۔ ان کا وظیفہ بس یہی تھا کہ یہ ثابت کریں کہ ادب زندگی کو سنوارنے اور نکھارنے کا

کام کرتا ہے۔ یہ بیچارے پلیخانوف سے آگے نہیں بڑھے تھے۔ ابھی لوکاچ پر اصغر علی انجینئر کی کتابیں پاکستان پہنچی تھیں کہ گورباچوف کے گلاسناسٹ کی اور پریسٹرائیکا کی خبر بھی پرانی ہوگئی اور یہ خبر ملی کہ مارکسزم سوویت یونین سے اپنا بوریا بستر گول کر کے رخصت ہوا۔

پرانے زمانے میں جب ترقی پسند پیدا نہیں ہوئے تھے۔ شعر کا مقام کچھ اور تھا۔ یہ تو عسکری صاحب اردو کے قارئین کو خبر دے گئے کہ کبھی پرانے وقتوں کے لوگ ادب برائے ادب اور ادب برائے زندگی کے انداز میں نہیں سوچتے تھے، بلکہ وہ کسی اور سطح پر سوچا کرتے تھے۔ اس سلسلے میں انہوں نے شاہ وہاج الدین کی تصنیف شرح الکہف والرقیم کی خبر دی تھی۔ شاہ وہاج الدین لکھتے ہیں:

''معرفت کے لئے دو ہی تعینات انسان کے پیشِ نظر ہیں۔ خواہ اپنے آپ میں اپنی ذات وصفات وافعال کو دیکھ کر حقائق اشیاء کا ادراک کرے جس کو آفاق کہتے ہیں۔ اس کے علاوہ ذریعہ وسیلہ شناخت کا نہیں ہے اور اگر علیحدہ علیحدہ انفس وآفاق میں شناخت کی جائے تو وہ معرفت ادھوری اور ناتمام ہے۔ اگرچہ انفس وآفاق دونوں ایسے لازم وملزوم ہیں کہ شناخت نفس سے کچھ نہ کچھ آفاق کی بھی ہو جاتی ہے۔ شناخت آفاق سے کچھ نہ کچھ انفس کی شناخت بھی ہوتی ہے، مگر تکمیل اسی میں ہے کہ دونوں کی شناخت ایک ساتھ ہو اور انفس کی شناخت کو آفاق کی شناخت پر غلبہ ہو۔ کیونکہ آفاق جسم ہے اور انفس اس کی روح .... پچھلی صدی سے شاعری ہر زبان کی آفاق کی انفس کو غلبہ دے کر مکمل سمجھی گئی ہے اور باعتبار مشرب ہر ملت وقوم کے معشوق انفس ہی قرار دیا گیا ہے اور اس زمانہ کی نیچرل شاعری جو بہت پسندیدہ کہی جاتی ہے، وہ ناتمام ہے کیونکہ اس میں صرف آفاق کو لیا ہے اور انفس کو جو آفاق کی جان ہے چھوڑ دیا ہے، لہٰذا یہ شاعری مثل ایک جسم بے جان کے ہے۔''(٦)

شاہ وہاج الدین کی بات ذرا لمبی تھی، مگر انھوں نے بات کھول دی کہ روایتی معاشروں میں ہمیشہ انفس کو آفاق پر غلبہ رہا ہے۔ روایتی شاعری کا مرکزی موضوع انفس ہی رہا ہے۔ یہ شاعری ذکر کی قائم مقام بنی ہے اور سفر العشق میں ہم سفر رہی ہے۔ اسی لیے قصیدہ بردہ شاعری سے آگے بڑھ کر ذکر بن گیا ہے اور اہل اللہ نے اسے بطور ذکر کے پڑھا ہے۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا حسین احمد مدنی نے اپنے ایک مرشد کو لکھا، جن کی نواسی کی بینائی جاتی رہی تھی:

''باوضو ہو کر قصیدہ بردہ شریف کا یہ شعر پڑھ کر آنکھوں پر پھونک دیا جائے۔ دن میں یہ عمل سات بار کرنے کی ضرورت ہے۔''

کم آبرأتُ وَصِباً باللمسِ راحتُہٗ
وَاطلُعتُ اَرِباً من ریقہ اللّم (۷)

ترجمہ: نہ جانے کتنے لوگ ایسے مریض ہیں جنھوں نے حضور سرور کائنات ﷺ کے دستِ مبارک کے مس سے صحتِ کاملہ کی دولت پائی اور کتنے ایسے جنوں کے مرض میں مبتلا تھے جنہیں آپ کے ہاتھوں کے لمس سے دوامی شفا ملی۔

یہ قصیدہ بطور ذکر کے پڑھا جاتا ہے اور انسان کی اپنے باطن سے ملاقات میں مددگار ہوتا ہے۔

اس قصیدے کی روحانی تاثیر کے بارے میں نکلسن لکھتے ہیں:

''مختصر یہ کہ دو شاعر تصوف کے رجحان کا دعویٰ کر سکتے ہیں۔ ان دونوں کی وجہ شہرت ایک نظم ہے۔ یہ عربی شاعری میں نادر مظہر ہیں۔ ان عالمی شہرت کی دو نظموں میں سے ایک تو لامیۃ العجم ہے جو ۱۱۱۱ء میں طغرائی نے لکھی۔ دوسری بوصیری کا قصیدہ بردہ شریف ہے۔''(۸)

اس قصیدے کے بارے میں انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا میں یہ بات تسلیم کی گئی ہے:

''البوصیری (متوفی ۱۲۹۸ھ) کی البردہ کی درجنوں شرحیں لکھی گئیں۔ مسلمانوں کے ہاں بولی جانے والی بیشتر زبانوں میں اس کے ترجمے کیے گئے کیونکہ اس میں غیر معمولی روحانی کیفیت موجود ہے۔''(۹)

قصیدہ بردہ کی روحانی مقبولیت نے اسے محبوب اور معروف کر دیا ہے۔ اسے دنیا بھر کی زبانوں سے خراج تحسین حاصل ہوا ہے۔ صوفیاء نے اسے سفر العشق میں رہبر بنایا ہے اور اسے نظم سے زیادہ ذکر کا درجہ حاصل رہا ہے۔ مسلمانوں کی محافل میں اس کے اشعار پڑھے جاتے ہیں اور ان اشعار سے عشق مصطفٰی کی تاثیر تلاش کی جاتی ہے۔ ان اشعار کی تجلیات دلوں کو نور دیتی اور زندگی کے کمزور لمحوں میں اس کے اشعار دست گیر ہوتے ہیں۔ ٹوٹے ہوئے دل خود کو اس کے لفظوں سے ہم آہنگ کرتے ہیں اور روتی ہوئی آنکھیں انھیں آنسوؤں کا خراج پیش کرتی ہیں۔ یہ قصیدہ تیرگی میں پڑھا جائے تو چار سو جگنو چمکنے لگتے ہیں اور دل کا آسمان ستاروں سے بھر جاتا ہے۔ زندگی کا بھٹکا ہوا مسافر ان ستاروں سے صراطِ مستقیم کی تلاش میں مدد لیتا ہے اور بے نوا مسافر کو راستے آواز دیتے ہیں۔ یہ اشعار گلشن کی بوئے دم ساز بھی ہیں اور سناٹے میں ہم دم آواز بھی۔

عرب اپنے مزاج کے اعتبار سے سادہ اور بے ریا تھے۔ رسول اکرم ﷺ نے ان کی تربیت فرمائی تھی۔ عرب کی سادگی نے رسول اکرمؐ سے تربیت پا کر درجۂ احسان حاصل کر لیا۔ یہ سلسلہ صحابہ سے آگے بڑھتا رہا۔ وہ حبّ جاہ وحبّ مال کی برائیوں سے مبرٰی و منزہ تھے۔ وہ پاک دل و پاک باز لوگ تھے۔ انہیں تصوف کے ثمرات بآسانی میسر تھے۔ اسلام عرب سے باہر نکلا تو نہ وہ سادہ دلی رہی اور نہ وہ سادہ بیانی۔ لوگوں کے مزاج میں سو بگاڑ۔ خشوع خضوع کا حصول کٹھن نظر آیا تو تصوف کے آداب و اشغال شروع ہوئے۔ ان آداب واشغال سے جذب وکیف اور سرور و سرود کی کیفیات پیدا ہوئیں۔ ان کیفیات سے پر جوش اور پرسوز شاعری پیدا ہوئی۔ بعض لوگوں نے اس جذب وکیف اور جوش وخروش کو مقصد اور مآل سمجھ لیا۔ وہ سنتِ رسولؐ کے جادہ مستقیم سے الگ ہو گئے۔ خیر یہ تو جملہ معترضہ ہوا۔ اصل یہ ہے کہ عربی میں ایسی شاعری بہت کم ہے، جس میں تصوف اور عشق و مستی کا رنگ ڈھنگ پایا جائے۔ اس بہت کم شاعری میں قصیدہ بردہ کی مثال پیش کی جاتی ہے۔ نکلسن لکھتے ہیں:

> ''اس کے اشعار زبانی یاد کیے جاتے ہیں۔ عوامی عمارتوں پر اس کے اشعار سنہری حروف میں لکھے جاتے ہیں۔ پوری کی پوری نظم بُرے اثرات کے خلاف موثر قوت

کے طور پر تسلیم کی جاتی ہے۔ ہرِ شعر کو الگ خصوصی روحانی قوت کا حامل خیال کیا جاتا ہے۔ یہ نظم اپنی شاعری کی نسبت کہیں زیادہ محترم اور معظم قرار پائی ہے۔''(۱۰)

اس قصیدے میں سوز دل اور جذب دروں نے اسے اہل دل میں مقبول بنا دیا ہے۔ اس کی دانش و معرفت اہل نظر میں محبوب ہے۔ یہ قصیدہ علماء صوفیاء میں یکساں مقبول اور محبوب رہا ہے۔ کبھی کسی عالم دین نے عقیدے کی بنیاد پر اس کے عقیدت سے شرابور اشعار کی طرف انگشت نمائی نہیں کی۔

اس قصیدے کو علماء و صوفیاء نے شفاء، عطا، بخشش، رحمت، عفو اور کرم کے حصول کے لیے پڑھا ہے اور اس سے جسم و جاں اور قلب و نظر کی شفاء چاہی ہے۔ مولانا حسین احمد مدنی کا واقعہ تو مذکور ہو چکا ہے، اور ایسے سینکڑوں واقعات کثرت سے ملتے ہیں۔ جب اہل دل نے کرب سے نجات کے لئے اور حزن سے بچنے کے لئے قصیدہ بردہ شریف پڑھنے یا بطور تعویز استعمال کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔

قصیدہ بردہ شریف کو ایصال ثواب کے لئے بھی پڑھا جاتا ہے اور حصول نجات کے لئے بھی۔ اس لیے اس قصیدے کے پڑھنے کے آداب بھی بیان کیے گئے ہیں اور ہونے بھی چاہئیں۔

دور بیٹھا غبارِ میر اُس سے
عشق بن یہ ادب نہیں آتا

امام بوصیری علیہ الرحمہ کے قصیدے کو ادب کے طالب علموں اور من کے مسافروں میں یکساں مقبولیت حاصل رہی۔ اس قصیدے کے بارے میں عموماً یہ کہا گیا کہ یہ قصیدہ آنحضورؐ کی مدح میں کعبؓ بن زہیر کے قصیدہ بانت سعاد کے بعد عربی زبان کے ادب میں سب سے خوبصورت نظم ہے۔ اس میں وہ شاعرانہ بلندی تو نہیں جو دورِ جاہلی کی شاعری کا خاصہ تھی، لیکن اس نظم میں وہ روحانی تجربہ موجود ہے جس نے اسے زندۂ جاوید کر دیا ہے۔ اس کے تاثر اور تاثیر کے بارے میں مولانا مسعود عالم ندوی لکھتے ہیں:

''طبیعت سوز و مستی چاہتی ہے، لیکن عربی شاعری کا دامن نعت سے خالی ہے اور جو کچھ ذخیرہ ہے اس میں درد و سوز نہیں۔ اور تو اور حضرت حسانؓ بن ثابت کے کلام سے

بھی پیاس نہیں بجھتی۔ حضرت کعبؓ بن زہیر کا مشہور قصیدہ ''بانت سعاد'' عربی شاعری میں جو بھی درجہ رکھتا ہے، پر اس میں جلے ہوئے دل کی تاثیر کا سامان نہیں۔ لے دے کے بوصیری کا مشہور قصیدہ بردہ شریف ہے۔ بلاشبہ اس میں کہیں کہیں مقام نبوت سے تجاوز ہو گیا ہے، لیکن اس کا ہر شعر درد و سوز سے بھرا ہوا ہے۔ راقم اپنی وہابیت کے باوجود اسے پڑھتا ہے اور لطف اندوز ہوتا ہے۔''(۱۱)

مسعود عالم ندوی نے عربی شاعری میں نعت گوئی کے متعلق ایک نقاد کے حوالے سے ایک بات لکھتے ہوئے اپنی رائے بھی بیان کی ہے:

''عبدالرحمٰن برقوقی نے دیوان حسانؓ کی شرح میں لکھا ہے کہ اب تک عربی شاعری میں بوصیری اور شوقی کے سوا کوئی نعت میں کامیاب نہیں ہوا۔ اس کی رائے بڑی صائب معلوم ہوتی ہے۔''(۱۲)

دراصل مسعود عالم ندوی کی ان آراء سے اتفاق کرنا مشکل ہے۔ عربی شاعری کا ذوق ہم لوگوں یعنی عجمیوں کے ذوق سے خاصا مختلف ہے۔ یہ تو تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ ہم لوگوں کو بوصیری کی نعت میں تسکین میسر آتی ہے، مگر حضرت حسانؓ اور حضرت کعبؓ بن زہیر جیسے شعراء کی شعری عظمتوں کے سامنے سر جھکانے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔

قصیدہ بردہ میں سوز و مستی اور جذب و شوق کا تذکرہ تو ہر صاحب نظر نے کیا ہے، لہٰذا اس سے تفصیلی بحث کی ضرورت نہیں۔ ان کے علاوہ بھی اس قصیدے میں بہت کچھ ہے۔

قصیدے کا آغاز بظاہر ہجر و وصال کے روایتی مضامین سے ہوتا ہے۔ ذی سلم کے ہمسایوں کی یاد، کاظمہ کی ہوا اور کوہ اضم پر بجلی کے کوندنے سے قصیدہ سفر کا آغاز کرتا ہے اور مدح مصطفیٰ کی منزل تک جا پہنچتا ہے۔ ابتداء قصیدے کی تشبیب کے روایتی مضمون سے ہو رہی ہے۔ بوصیریؒ نے اس صنف کی روایت سے بغاوت کی کوئی کوشش نہیں کی، مگر یہ نظم عورت اور شراب کے تذکرے سے پاک رہی۔

حضرت کعب نے ابتداء روایتی مضمون سے کی تھی۔

قصیدے کا مرکزی موضوع تو مدحِ مصطفیٰ ہی ہے، لیکن اس میں علم و حکمت اور دانائی و پارسائی کے حوالے بھی موجود ہیں۔ شاعر اعلیٰ اخلاقیات کو بھی موضوع بناتا ہے اور نفس انسانی کے بھید بھی کھولتا ہے۔ ایسے مواقع پر ان کی بصیرت چشم کشا اور ان کی فکر دل کشا ہو جاتی ہے۔ ان کی شاعری میں خبر نظر بنتی ہوئی اور مشاہدہ دانش میں ڈھلتا ہوا نظر آتا ہے۔ چند شعر دیکھئے۔

والنفس كالطفل ان تهمله شبَّ على	حب الرضاع وان تفطمه ينفطعم
فاصرف هواها و حاذر ان توليه	ان الهوى ماتولىَّ يُصم اويَصم
وراعها و هى فى الاعمال سائمة	وان هى استحلَتِ المرعى فلاسم
كم حسنت لذة للمرء قاتلة	من حيث لم يدران السم في الذسم
واخش الدسائس من جوع و من شبع	فربّ مخمصة شر مَن التُنجم

ترجمہ: نفس انسانی مانند ایک طفل کے ہے، اسے اس کے حال پر چھوڑ دو تو وہ جوان ہونے تک دودھ کا رسیا رہے گا، لیکن اگر ایک دفعہ اس کا دودھ چھڑا دو تو وہ اس سے باز آ جائے گا۔ پس نفس کو اس کی خواہش سے روک اور اس کو اسے کہیں اپنا حاکم نہ بنا دے۔ ہوائے نفس جب غالب آ جاتی ہے تو وہ اسے یا تو مار ڈالتی ہے یا بالکل نکما کر دیتی ہے۔

جب یہ اعمال کی چراگاہ میں چر رہی ہو تو اس کی پوری پوری نگرانی کر اور اگر وہ چراگاہ کو خوشگوار سمجھنے لگے تو اسے مت چرنے دو۔

نفس کئی خواہشوں کو اس طرح بنا سنوار کر پیش کرتا ہے جو اس کے لئے مہلک ہوتی ہیں۔ وہ نہیں جانتا کہ بعض دفعہ لذیذ کھانوں میں زہر ملا ہوتا ہے۔

بھوک اور سیری کی پوشیدہ خرابیوں سے ڈر، اس لئے بسا اوقات بھوک شکم سیری سے زیادہ بُری ثابت ہوتی ہے۔

فکرودانش کے ساتھ ساتھ امام بوصیری کے ہاں دینی وکلامی مسائل کا تذکرہ بھی موجود ہے۔ مثلاً ایک زمانے میں معتزلہ کا زور ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات پر بحث چھڑ گئی اور بات قرآن کے حادث وقدیم اور مخلوق و غیر مخلوق کی بحث تک جا پہنچی تھی۔ یہ بحث عباسی دور میں مامون کے عہد میں شروع ہوئی اور عباسی دور میں ہی دم توڑ گئی۔ امام بوصیری کے زمانے میں بھی اس بحث نے پھر سر اٹھایا۔ مصر کے دانشوروں نے پھر اس فکری موضوع پر دادِ فکر دی۔ ان بحثوں کی جھلکیاں شیخ بوصیریؒ کے ہاں مل جاتی ہیں، مگر عقیدے اور یقین کی استواری اور پائیداری صاف نظر آتی ہے اور ان کا قدم کہیں جادہ مستقیم سے ہٹا یا لڑکھڑاتا محسوس نہیں ہوتا۔ وہ ابتدا سے ہی ایک نیک آدمی تھے اور ان کے دل میں فکر آخرت تھی، اسی لئے تو کہتے ہیں:

فلا تزددتَ قبل الموت نافلةً

وَلم اُصلیَ سِوىٰ فرض واصم

ترجمہ: میں نے نوافل کے ذریعے موت سے پہلے کا سامان سفر نہ کیا اور نہ ہی میں نے فرائض کے علاوہ نمازیں پڑھیں اور نہ فرض روزوں کے سوا روزے رکھے۔

ایک نیک آدمی کو کس قدر مزید نیکی کی طلب ہوتی ہے۔ اس کا اظہار اس شعر سے واضح طور پر ظاہر ہو رہا ہے۔ یہ شعر سبط الحسن ضیغم کے الزام کی تردید بھی کر رہا ہے۔

امام بوصیری نے تشبیب میں بھی لہو ولعب سے جس قدر گریز کیا ہے اُس کی مثال یہ شعر ہے۔

لولا الهوىٰ لم تُرف و شعاً علی طلل

ولم ارقت لذكر البان و لا لعلم

ترجمہ: اگر تجھے عشق کا مرض نہ ہوتا تو ٹیلوں پر آنسو نہ بہاتا پھرتا، نہ بان اور علم کی یاد میں جاگتا رہتا۔

رسول اکرمؐ کی ولادت کے بارے میں بعض ایسی روایات نظم ہوگئی ہیں، جن کے بارے میں محدثین کرام کو کچھ کلام ہے، لیکن عقائد کے باب میں امام بوصیری کی پختہ فکری اور عالی ظرفی کی دلیل

کے لئے یہ اشعار کافی ہیں:

وامت لدینا مُفاقت کل معجزة

من النبیین اذجاء ت ولم قدم

ترجمہ: ہمیشہ رہے گا ہمارے پاس (قرآن) اور سب انبیاء کے معجزات سے فوقیت رکھتا ہے۔ کیونکہ وہ آئے اور نہ رہے۔

کفاک بالعلم فی الامی معجزة

فی الجاھلیة والتادیب فی الیتم

ترجمہ: تجھے یہی معجزہ کافی ہے کہ زمانہ جاہلیت میں ایک ان پڑھ عالم بن جائے اور باوجود یتیمی کے اُسے ادب حاصل ہو۔

یہ اشعار صرف مدح و تحسین ہی نہیں، کلام اور مناظرہ میں بھی اپنی شناخت رکھتے ہیں۔ امام بوصیری اس قصیدہ میں صرف شاعر ہی نہیں متکلم بھی نظر آتے ہیں۔ مثلاً مشہور کلامی مسئلہ ہے کہ اسلام میں گناہ کبیرہ کے مرتکب کی حیثیت کیا ہے۔ خوارج اور معتزلہ نے اس مسئلے پر جمیع امت سے الگ راہ اختیار کی۔ خوارج تو سخت انتہا پسند تھے اور بہت دور تک چلے گئے۔ معتزلہ نے بھی امت سے الگ راہ تلاش کی اور گناہ کبیرہ کے مرتکب کے لئے المنزلة بین المنزلتین یعنی کفر و اسلام کے درمیان کی منزل کا نظریہ پیش کیا۔ امام بوصیری جمہور امت کے ہم خیال ہیں۔ وہ اس خیال کو کس خوبصورتی سے بیان کرتے ہیں:

ان ات ذنبا فھا عھدی بمنتقض

من النبی ولا جعلی بُمنصرم

اگر میں کوئی گناہ کر بیٹھا تو اس سے میرا حضور ﷺ سے کیا ہوا عہد نہیں ٹوٹ گیا اور نہ ہی میرا تعلق ختم ہو گیا ہے۔

اس عہد میں امام بوصیری کا یہ قصیدہ سیرت النبی کے بہت سے ورق الٹتا اور خیر القرون کی تصویر کشی کرتا نظر آتا ہے۔ حضور اکرمؐ اور ان کے اقوال کے جمال دل افروز سے وہ فکری منظر نامہ پیدا

ہوتا ہے جو چار سو نور بانٹتا دکھائی دیتا ہے۔ یہ قصیدہ علوم سیرت وحدیث اور کلام ومناظرہ کے خزینہ وگنجی
ہیں۔ حیرت ہوتی ہے کہ شاعر نے علوم وافکار کے بیان میں کہیں قلم کو خشک نہیں ہونے دیا۔ ان کا دل ق
کی طرح زخمی تھا اور قلم محبت کی روشنائی سے بھیگا ہوا تھا۔ اُن کے دل اور قلم کی یہ قربت، اُن کے دما
سے پھوٹنے والے علوم کو اس وقت تک کاغذ پر منتقل نہ ہونے دیتی جب تک اسے شعر کی شیرینی می
شرابور نہ کردیتی۔ اس عقیدے کے اشعار کہتے ہوئے ان کی حالت اقبال کے اس شعر کی مثل ہوگئی تھی

شوق میری لے میں ہے شوق میری نے میں ہے
نغمہ اللہ ہو میرے رگ و پے میں ہے



قصیدہ بردہ شریف کی مقبولیت دوسری زبانوں میں

قصیدہ بردہ شریف کی عظمت اور انفرادیت یہ ہے کہ اس کے مختلف زبانوں میں ترجمے کیے گئے اور اس کی شروح لکھی گئیں۔ الہامی کتابوں کے بعد یہ قصیدہ بردہ شریف ہی ہے کہ اسے اتنی ڈھیر ساری زبانوں میں ترجمے کے ذریعے سمجھا گیا اور بے شمار لوگوں نے اسے براہِ راست عربی زبان میں پڑھا، سمجھا اور اس سے مستفید ہوئے۔ ان کے شارحین میں عظیم المرتبت لوگوں کے نام آتے ہیں۔ یہ عظیم المرتبہ تھے کہ انہیں یہ سعادت حاصل ہوئی یا اس سعادت کے سبب انہیں علم وفن میں وہ گہرائی نصیب ہوئی کہ عظمت ان کا مقدر ٹھہری۔ ان شارحین میں مشہور مورخ اور فلسفہ تاریخ وعمرانیات کے بانی ابنِ خلدون کا نام بھی شامل ہے اور اکبری عہد کے سخت گیر مورخ ملا عبدالقادر بدایونی کا نام بھی۔ صرف مورخین نے ہی یہ سعادت حاصل نہیں کی، محدثین، ادیبوں، شاعروں اور علم کے دوسرے شعبوں سے متعلق لوگوں نے بھی اس کے ترجمے اور تشریح کی سعادت پائی۔ برصغیر بھی ہمیشہ اس قصیدے کی برکات سے متبرک اور اس کی روشنیوں سے منور ہوتا رہا ہے۔ برصغیر میں اس قصیدہ کی پہلی عربی شرح قاضی شہاب الدین دولت آبادی (م ۱۴۴۵ء) نے تحریر فرمائی اور پہلی فارسی شرح محمد غیور قادری نے لکھی۔ برکات بردہ کے مصنف کی تحقیق کے مطابق آپ ۱۵۱۴ء میں دہلی میں زندہ سلامت تھے۔

اس نظم کی دنیائے اسلام میں ہی نہیں، تمام عالم میں مقبولیت اور محبوبیت موجود ہے۔ مختلف زبانوں میں اس کے تراجم ہوئے۔ اس کے اشعار تضمین کیے گئے۔ اس کے استعارے اور علامات شاعری کا مستقل حصہ بن گئے۔ علامہ اقبال کے یہ اشعار بوصیری کے اس قصیدے کی تشبیب کی یاد دلاتے ہیں۔ ان میں کوہِ اضم، نواح کاظمہ وہ استعارے ہیں جو بوصیری نے استعمال کیے ہیں:

سرخ و کبود بدلیاں چھوڑ گیا شہاب شب
کوہِ اضم کو دے گیا رنگ برنگ طیلساں

گرد سے پاک ہے ہوا برگ نخیل دُھل گئے
ریگِ نواح کاظمہ نرم مثل پرنیاں
آگ بجھی ہوئی ادھر، ٹوٹی ہوئی طناب ادھر
کیا خبر اس مقام سے گزرے ہیں کتنے کارواں

علامہ اقبال کوامام بوصیری سے بے حد عقیدت تھی۔انھوں نے امام بوصیری کے اتباع میں خود ایک نظم لکھی۔نظم کا پس منظر یہ ہے:

''شب ۱۳ اپریل ۱۹۳۶ء دارالاقبال بھوپال بودم سید احمد خانؒ را در خواب دیدم فرمودند کہ از علالت خویش درحضور رسالت مآب عرض کن۔''

ترجمہ: ۱۳ اپریل ۱۹۳۶ء کو رات میں دارالاقبال بھوپال میں مقیم تھا کہ سید احمد خانؒ کو میں نے خواب میں دیکھا کہ آپ نے فرمایا کہ اپنی بیماری کے بارے میں رسالت مآبؐ کے حضور عرض کرو۔

علامہ اقبال نے مذکورہ خواب کے بعد درحضور رسالت مآبؐ کے عنوان سے ۶۲ شعر لکھے جو اُن کی مثنوی پس چہ باید کرد اے اقوام شرق کا حصہ ہیں۔اس نظم میں علامہ نے اشعار میں بوصیری کو عقیدت کا خراج یوں پیش کیا ہے:

چون بصیری از تومی خواهم کشود
تا بمن باز آید آن روزے کہ بود

یہ نظم سر سید احمد کی تلقین کی تعمیل تھی اور بوصیریؒ کے اتباع میں لکھی گئی۔اقبال بھی بوصیریؒ کی طرح جناب رسالت مآبؐ کے تصرف سے شفا کے امیدوار تھے۔علامہ نے ایک اور جگہ بوصیری کو عقیدت کا خراج یوں پیش کیا ہے:

اے بصیری را ردا بخشندهٔ

اس نظم کو جہاں اقبال جیسے صاحب دل اور صاحب نظر شاعر نے خراج تحسین پیش کیا ہے، وہیں سید امیر علی جیسے خالص دانشور نے بھی اس قصیدے کو یوں خراج عقیدت پیش کیا ہے کہ اُن کی مشہور کتاب Spirit of Islam کا ہر باب اس قصیدے کے شعر سے شروع کیا گیا ہے۔شاید بوصیری

کے اشعار کا حوالہ ہے جس کے طفیل اس کتاب کو امتیاز اور اعتبار حاصل ہوا اور اپنی بعض کمزوریوں کے باوصف یہ کتاب مسلمان لٹریچر میں کلاسک کا درجہ پا گئی۔ یہ کتاب اردو میں روحِ اسلام کے نام سے ترجمہ ہوئی۔

مولانا اشرف علی تھانوی، حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے خلیفہ اور صاحب دل بزرگ تھے۔ وہ قرانِ مجید کے مفسر ہونے کے ساتھ ساتھ مثنوی مولانا روم کے شارح بھی تھے۔ انھوں نے بھی اس قصیدے کو عقیدت کا خراج یوں پیش کیا کہ اپنی معروف زمانہ کتاب ''نشر الطیب فی ذکرِ الحبیب'' کے ہر باب کا اختتام قصیدہ بردہ شریف کے شعر سے کیا ہے۔ علامہ شبلی نے سیرت کے آغاز میں لکھا تھا۔

عجم کی مدح کی ساسانیوں کی داستاں لکھی
مجھے چندے مقیم آستانِ غیر ہونا تھا
مگر اب لکھ رہا ہوں سیرت پیغمبر آخر
خدا کا شکر ہے یوں خاتمہ بالخیر ہونا تھا

مولانا تھانوی کی عمر ہی سیرت کے باغ کی سیر میں بسر ہوئی تھی۔ وہ جانتے تھے کہ سیرت النبی تفصیل ہے اور قصیدہ بردہ شریف کے اشعار اس کا اجمال۔ وہ تفصیل لکھ کر اجمال کو پیش کرتے ہیں، امیر علی اجمال لکھ کر تفصیل بیان کرتے رہے۔ یہاں سبط الحسن ضیغم کا بیان بھی خالی از دلچسپی نہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

''جب مولانا اشرف علی تھانوی نے اس موضوع (سیرت) پر اپنی وقیع کتاب نشر الطیب فی ذکر الحبیب رقم کی تو ان کے سامنے سید امیر علی کی یہ بات تھی جس کے تتبع میں مولانا مرحوم نے اپنی اس کتاب کے ہر باب کا اختتام قصیدہ بردہ شریف کے شعر سے کیا۔'' (۱۲) (الف)

موصوف کی رگِ تحقیق اکثر بلاوجہ پھڑک اٹھتی ہے۔ انھوں نے دونوں تصانیف کے سنین

تصنیف کا حوالہ نہیں دیا۔ برصغیر میں Spirit of Islam پہلی بار کب چھپی اور پھر اس کا ترجمہ کب ہو اور مولانا تھانوی تک کیسے پہنچا۔ نیز مولانا تھانوی کب یہ تصنیف رقم کر چکے تھے۔ ان سوالات کا جواب ملنے کے بعد ہی تتبع کا فیصلہ کیا جانا ممکن ہے۔

سبط الحسن ضیغم نے کتابیات میں Spirit of Islam کے لندن ایڈیشن کا سن اشاعت ۱۹۲۲ء لکھا ہے۔ ضیغم نے یقیناً اس سے پہلے کے ایڈیشنوں کا مشاہدہ نہیں کیا تھا۔ یہ بات یقین سے کہی جا سکتی ہے کہ سید امیر علی کو اور ان کی تصنیف کو مولانا تھانوی پر تقدمِ زمانی حاصل ہے۔ کیونکہ انھوں نے اپنی وفات (۱۹۰۹ء) سے چند سال قبل اس تصنیف کا آخری ایڈیشن تیار کیا جیسا کہ انور محمود خالد لکھتے ہیں:

''اپنی وفات سے چند سال پہلے انہوں نے اسی کتاب کا ۵۰۰ صفحات پر مشتمل ایک نیا ایڈیشن شائع کیا۔'' (۱۴)

مولانا تھانوی کی نشر الطیب اس کتاب سے یقیناً چند سال بعد لکھی گئی۔ جیسا کہ انور محمود خالد لکھتے ہیں:

''مولانا اشرف علی تھانوی نے اپنی کتاب نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب ۱۳۲۸ ھجری ۱۹۱۱ء میں لکھنی شروع کی اور اگلے سال ۱۳۲۹ھ/۱۹۱۲ء میں مکمل کر لی۔''

اس تفصیل سے تو ضیغم کے دعویٰ کی تصدیق ہوتی ہے، مگر ضیغم کے دعویٰ کی تکذیب کے لئے انور محمود خالد کی یہ تحقیق شاید کافی ہو:

''مولانا اشرف علی تھانوی نے اس کتاب میں آنحضرتؐ کے حالات بھی درج کیے اور جا بجا درود شریف بھی لکھا تا کہ پڑھنے والے آپ کے ذکر مبارک سے معرفت، معرفت سے محبت اور محبت سے قیامت میں معیت اور شفاعت کی امیدیں وابستہ کر سکیں۔'' (۱۵)

قصیدہ بردہ شریف کے اشعار، انھی اوراد کے ذیل میں آتے ہیں۔ یہ سید امیر علی کا تتبع نہیں ہے۔ دراصل سیرت کی کتاب میں ہر فصل کے آغاز یا اختتام پر قصیدہ بردہ شریف کے اشعار لکھنا سید امیر علی کا تتبع نہیں، یہ مولودناموں کی روایت ہے۔ مولودناموں کی روایت بہت پرانی ہے۔ اُس زمانے میں نہ سید امیر علی کی Spirit of Islam لکھی گئی تھی، نہ مولانا تھانوی کی نشر الطیب۔

اس قصیدے کی مقبولیت مسلم دنیا میں ہی نہیں، غیر مسلم دنیا میں بھی ملتی ہے۔ اس سلسلے میں تحقیق کا دائرہ خاصا وسیع ہے۔ اس نظم کے تراجم، حوالے، تضمینوں کے بارے میں یقیناً ایک ضخیم کتاب مرتب کرنا ممکن ہے۔ ہم یہاں Encyclopedia of Islam کے اس حوالے پر اکتفا کرتے ہیں جو انھوں نے امام بوصیری کے قصیدہ بردہ شریف کے بارے میں لکھا ہے:

''بردہ البوصیری کی مقبول عالم نظم کا نام ہے۔ روایت مشہورہ کے مطابق انھوں نے یہ نظم اُس وقت لکھی جب انھوں نے نبیؐ سے فالج کا معالجہ کروایا جس نے انھیں بے دم کر کے رکھ دیا تھا۔ نبی اکرمؐ نے اُن کے کاندھوں پر اپنی چادر ڈالی، جیسا کہ وہ اس سے قبل ایک موقع پر کعب بن زہیر پر ڈال چکے تھے۔ اس معجزانہ علاج کی شہرت پھیل گئی اور نظم جس کا عنوان ''الکوکب الدریہ فی مدح خیر البریہ'' تھا کا نام بردہ پڑ گیا۔ اس کے اشعار کے متعلق یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ یہ مافوق الفطرت قوتوں کے حامل ہیں۔ انھیں اب تک پُر تاثیر سمجھا جاتا ہے اور دفن کے مواقع پر پڑھا جاتا ہے۔ عربی کی کسی نظم نے یہ شہرت اور ناموری نہیں پائی۔ نوے سے زائد شرحیں عربی، فارسی، ترکی اور بربری میں لکھی گئیں۔ اس پر لاتعداد تثلیث، تخمیس اور تشطیر لکھی گئیں۔ (یعنی اس کے اشعار کی تضمین کی گئی) نظم کا آغاز روایتی نصاب (تشبیب) سے ہوتا ہے جیسا کہ قدیم عرب شاعری میں مروج تھا۔ تب شاعر اپنی جوانی پر ندامت کا اظہار کرتا ہے اور اپنی خطاؤں کو تسلیم کرتا ہے۔ اُس پر پیغمبر ﷺ کا معجزہ رونما ہوتا ہے۔ شاعر کا

پورا کیریئر ہی بدل جاتا ہے۔ نظم کے آخر میں وہ حضور پاکؐ کے اوصاف بیان کرتے اور ان کے حضور اپنے عجز کا اعتراف کرتے ہیں۔ اس میں تصوف کا کوئی نشان نہیں ہے۔ اس کی اہم شرحیں یہاں ذکر کی جاتی ہیں۔ تاریخی اعتبار سے پہلی شرح ابوشامہ عبدالرحمٰن دمشقی نے (۱۱۱۹ء سے ۱۲۶۶ء/ ۵۹۶ سے ۶۶۵ھ) لکھی۔ جس کے نسخے پیرس اور میونخ کی لائبریریوں میں موجود ہیں۔ پھر تالمقان کے ابن مرزوق (م ۸۴۲ھ/ ۳۹-۱۴۳۸ء) نے لکھی جیسا کہ مورخ ڈوری کی رائے ہے۔ Stupuset Horrendus کے مطابق خالد الازہری (م ۹۰۵ھ/ ۱۵۰۰-۱۴۹۹ء) اور ابن عاشور (م قاہرہ ۱۲۹۶ء) کی شرحیں کئی بار چھپ چکی ہیں۔ لاطینی زبان میں اس کا ترجمہ لیڈن سے ۱۷۶۱ء میں شائع ہوا جس میں عربی متن موجود ہے، جسے Dictrumcarmen Mysticum Burda کے نام سے ترتیب دیا گیا۔ اس کے بعد یہ اکثر شائع ہوتا رہا۔ مغرب میں شائع ہونے والے تراجم میں ویانا سے شائع ہونے والے مجموعے میں متن کے ساتھ ساتھ فارسی، ترکی اور جرمن ترجمے شامل تھے۔ رالف کا ایڈیشن بہترین ہے جو اس کی وفات کے بعد شائع ہوا۔ جسے بریز نے شائع کیا۔ قصیدہ بردہ شریف کے بہت ترجمے شائع ہو چکے ہیں۔ اہم تراجم میں فرانسیسی مستشرق، گارساں دتاسی کا فرانسیسی ترجمہ ہے جس میں پیر علی غازی کی عربی شرح بھی شامل ہے۔ گارسا دتاسی نے اسے ۱۸۲۲ء میں پیرس میں مکمل کیا۔ فرانسیسی میں آرپیسے نے اپنی شرح کے ساتھ ۱۸۹۲ء میں شائع کیا۔ ڈبلیو اے کلسٹن نے Arabia Poetry for English Readers ترتیب دے کر گلاسکو سے شائع کیا۔ اس کی کتاب انگریزی میں ہے جس میں ریڈ ہاؤس کا ترجمہ بھی شامل ہے۔ اس کے علاوہ ۱۹۰۱ء میں فلورنس میں اطالوی زبان

میں جی جبرائیل ترجمہ شائع ہوا۔ انسائیکلوپیڈیا آف بریٹانیکا کا یہ اقتباس ۱۹۱۸ء کی
اشاعت میں طبع ہوا۔ بعد میں قریباً سو سال کے عرصے میں تراجم کا سلسلہ جاری رہا۔
یہ سلسلہ اب تک جاری ہے۔"(۱۶)

قصیدہ بردہ کے مسلمانوں کی زبان میں تراجم کا شمار خاصا مشکل ہے۔ فارسی میں اس کے نثری ترجمے، شرحیں اور منظوم ترجمے بھی ملتے ہیں۔ منظوم تراجم میں عظیم عاشق رسولؐ ملا جامی کا ترجمہ بھی شامل ہے۔ ان کا نام آتے ہی ان کی نعت کا یہ شعر دل و دماغ میں گونجنے لگتا ہے:

نسیما جانب بطحا گزر کُن
ز احوالم محمد را خبر کُن

مولانا عبدالرحمٰن جامی کے علاوہ فارسی میں اور بہت سے ترجمے موجود ہیں۔ اُردو زبان کا دامن بھی قصیدہ بردہ شریف کے تراجم سے بھرا ہوا ہے۔ اس کے بہت سے نثری اور منظوم ترجمے موجود ہیں۔ منظوم ترجموں میں جناب محمد فیاض الدین نظامی، بہزاد اور پروفیسر فروغ احمد کے ترجمے بھی شامل ہیں۔ دونوں ترجمے خوشگو شعراء کے قلم کا کارنامہ ہیں، مگر قصیدہ بردہ کے سامنے صاحبِ دل جامی کے چراغ کی لو بھی مدھم نظر آتی ہے۔

اردو نثر میں قصیدہ بردہ شریف کے بہت سے ترجمے سامنے آئے۔ بعض علماء نے اس کی شرح بھی لکھی۔ نثری ترجمے اصل عربی متن کے فہم میں مدد و معاون بنتے ہیں اور شرحیں اس کے باطن تک رسائی کی کوشش اور کاوش۔ اردو ترجموں میں اردو اکادمی بہاولپور کا ترجمہ اس لحاظ سے اپنی انفرادیت رکھتا ہے کہ اسی ترجمے میں متن کے ساتھ الفاظ کے معانی، ترکیب نحوی اور ترجمے کے ساتھ ساتھ مختصر شرح بھی شامل ہے۔ یہ ترجمہ مولانا محمد یعقوب خاں کے زورِ قلم کا نتیجہ ہے۔

زیرِ نظر ترجمہ اور شرح مشہور عالم دین مولانا سید محمد طیب ہمدانی کے قلم کا شاہکار ہے۔ ان کا مسودہ راقم کو محبِ گرامی حافظ محمد تحیٰ کی معرفت حاصل ہوا۔ اس شرح کا مسودہ ایک رجسٹر پر شاید ...

اپنے قلم سے لکھا ہوا ہے۔ ترجمہ وشرح کا یہ مسودہ محترم شارح نے جمادی الثانیہ ۱۳۹۱ھ کے کسی جمعہ کے دن صبح کے وقت مکمل کیا۔ جیسا کہ متن کے آخر میں سید صاحب نے لکھا ہے۔ تاریخ کے لئے جگہ چھوڑی ہوئی ہے۔ وہ یقیناً بعد میں تاریخ رقم کرنے کا ارادہ رکھتے تھے، لیکن بعد میں بھول گئے۔ پھر وہ اس تصنیف سے ویسے ہی بے خبر ہو گئے ہوں گے جیسے وہ اپنی دوسری تصانیف سے ہو جاتے تھے۔ یہ بے اعتنائی اُن کا مخصوص مزاج تھا۔

شرح لکھنے کی ابتداء کب ہوئی، اس کے بارے میں کچھ کہنا ناممکن ہے۔ انھوں نے ابتدائیے میں اپنے دستخطوں کے نیچے 72-06-10 لکھا ہے۔ اس کو ہم ابتداء کی تاریخ نہیں مان سکتے۔ اس سے یہ بات تو واضح ہوتی ہے کہ آپ نے شرح کی تکمیل کے کچھ عرصہ بعد ابتدائیہ لکھا۔

اندازہ ہے کہ آپ نے شرح رجسٹر کے دوسرے ورق سے لکھنا شروع کی جسے متن کا تیسرا ورق کہا جانا چاہیے، مگر آپ نے صفحات پر نمبر لگانے کی بجائے اوراق پر نمبر لگائے ہیں۔ قیاس مزید یہ نتیجہ اخذ کرتا ہے کہ رجسٹر کے سرِ ورقی گتے کے اندرونی صفحے پر اور پہلے ورق کے دوسرے صفحے پر بھی آپ نے شذرات قلم بند کیے ہیں۔ یہ بغیر عنوان ہیں اور انھیں بغیر عنوان ہی کتاب میں شامل رکھا گیا ہے۔ حضرت مولانا سید محمد طیب ہمدانی کی یہ شرح اپنا جواز آپ ہے۔ آپ ڈابھیل کے مرکز علمی کے فیض یافتہ تھے اور حدیث کے بڑے عالم تھے۔ جیسا کہ ان کے احوال سے معلوم ہوگا۔ آپ کی شرح قصیدے کے اُن مقامات پر بہت علمی حیثیت اور اہمیت رکھتی ہے جہاں علم حدیث کا حوالہ پایا جاتا ہے اور یہ اکثر پایا جاتا ہے۔ آپ نے قصیدے میں مذکور روایتوں پر روایت اور درایت کے حوالے سے بحث نہیں کی۔ شاید اس لیے کہ آپ کے سامنے صرف شعروں کا فہم عام کرنا تھا اور شاعری کی شرح میں اس قسم کے بحثوں کی گنجائش بھی نہیں ہے۔

☆☆☆

شارح علیہ الرحمہ کے احوال

حضرت محمد طیب شاہ ہمدانی ۱۷ذی الحجہ ۱۳۴۳ھ/۱۰جون ۱۹۲۵ء کو قصور میں پیدا ہوئے والد گرامی کا اسم مبارک سید مبارک علی شاہ ہمدانی تھا۔ آپ سادات ہمدانیہ کی اُس شاخ سے تعلق رکھتے تھے، جس کے مورث اعلیٰ سید محمد کامل شاہ خیر پور ٹامیوالی سے نقل مکانی کر کے قصور آ بسے تھے۔ آپ علم و عمل کی بہت سی روایتوں کے امین تھے۔ آپ کی بعد از مرگ کرامت کا تذکرہ سالارِ عجم میں ملتا ہے۔ آپ کی نیک نفسی اور عظمت کردار کے لیے یہ حوالہ بہت اعتبار رکھتا ہے۔ آپ کی نماز جنازہ مولانا عبدالرسول نے پڑھائی تھی۔ جن کا کہنا تھا:

''میری بخشش کے دو وسیلے ہیں۔ ایک شمولیت نمازِ جنازہ حضرت کامل شاہ اور دوسرا شمولیت نماز جنازہ حضرت بگوی۔''

حضرت کامل شاہ ہمدانی کے بیٹے سید چراغ شاہ نے باپ کی نسبتوں کی پورے خلوص اور وقار سے پاسداری کی۔ آپ بھی باپ کی طرح عالم دین ہونے کے علاوہ طبیبِ روحانی بھی تھے اور طبیب جسمانی بھی۔ آپ نے خیر و فلاح کا چراغ جلائے رکھا اور سید کامل شاہ کی اتباع میں کمال دکھایا۔ سید چراغ شاہ کے بیٹے حضرت سید ولایت شاہ ہمدانی تھے۔ وہ بھی عالم، حکیم، طبیب، صوفی اور صاحب سجادہ و صاحب قلم تھے۔ فن قرأت اور مناظرے میں کتابیں لکھیں۔ یہ قلمی کتابیں اب بھی ان کی یادگار ہیں۔

سید ولایت شاہ ہمدانی کے صاحبزادے مولانا سید عبدالحق ہمدانی علم کے اس مقام پر پہنچے کہ محدث کہلائے۔ آپ کی سند حدیث بہت عالی تھی۔ راقم نے آپ کی سند حدیث خود دیکھی ہے۔ سند دینے والے مولانا عبدالحق الہ آبادی تھے۔ مولانا عبدالحق الہ آبادی نے مولانا نواب قطب الدین دہلویؒ اور حضرت شاہ عبدالغنی مجددیؒ سے حدیث پڑھی تھی۔ مولانا قطب الدینؒ براہ راست حضرت شاہ

عبدالعزیزؒ کے شاگرد تھے اور حضرت شاہ عبدالغنیؒ حضرت شاہ اسحٰق کے تلمیذِ رشید۔ آپ کو ایک سند مولانا
غلام دستگیر قصوری مرحوم نے بھی عطاء کی تھی۔ اسی سند میں آپ نے لکھا ہے کہ مولانا سید عبدالحق شاہ
ہمدانی اپنے گھر پر طلبہ کو درس حدیث دیتے ہیں۔ آپ نے قصور میں مسندِ حدیث بچھائی اور علم حدیث کا
چراغ روشن رکھا۔

مولانا عبدالحق شاہ ہمدانی، مولانا سید مبارک شاہ ہمدانی کے والد گرامی بھی تھے اور استاد
گرامی بھی۔ آپ نے باپ سے سندِ حدیث بھی حاصل کی اور علم طب بھی سیکھا۔ آپ کے دوسرے
اساتذہ میں مولانا روشن دین صاحب سابق مدرس مدرسہ فتح پوری، دہلی اور مولانا محمد دین خوشابی کا ذکر
خیر ملتا ہے۔ آپ مولانا محمد دین خوشابی کو آخری عمر میں مسجد مبارک قصور میں لے آئے۔ مولانا محمد دین
خوشابی حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی کے تلمیذ ارشد تھے۔

مولانا سید مبارک شاہ کا علم گہرا، خلق پاکیزہ، نظر وسیع اور خط بہت عمدہ تھا۔ آپ کے قلمی
مسودات راقم نے خود دیکھے اور ان سے آنکھوں کو ٹھنڈک حاصل ہوئی۔ آپ کی تحریریں آپ کے حسن
خط اور حسن ذوق کا بہت عمدہ نمونہ ہیں۔ آپ کی ان تصانیف کا ذکر سالار عجم میں ملتا ہے:

(۱) سید البشر (۲) عالم الغیب (۳) ذکر خیر (۴) دین وایمان اور مرزائے قادیانی۔

آپ کی تصانیف کے ناموں میں ذکر خیر اور سید البشر میں تجنیس معنوی کا سا لطف ملتا ہے اور
دین وایمان اور مرزائے قادیانی میں صنعت تضاد کا سا مزہ حاصل ہوتا ہے۔ آپ کے بہت سے مسودات
قلمی شکل میں موجود ہیں۔ ان کا تذکرہ بھی سالارِ عجم میں ملتا ہے۔ آپ کو اپنے والد گرامی سے اجازت
بیعت حاصل تھی۔ سید زہیر شاہ صاحب ہمدانی کی روایت کے مطابق آپ حضرت سید مہر علی شاہ گولڑوی
کے خلیفہ مجاز بھی تھے۔ حضرت گولڑوی سے آپ کا تعلق خاطر کا نتیجہ تھا کہ آپ کے فرزند گرامی حضرت
مولانا سید محمد طیب ہمدانی کو آپ ہی نے بسم اللہ خوانی کروائی۔

حضرت گولڑوی سے بسم اللہ خوانی کے بعد حضرت سید محمد طیب ہمدانی نے اپنے والد کے حضور

باسمہ سبحانہ

قصیدہ بردہ — از علامہ بوصیری رحمہ اللہ تعالیٰ

بیان کیا جاتا ہے کہ علامہ بوصیری رحمہ اللہ کو فالج ہو گیا تو انہوں نے یہ قصیدہ نظم فرمایا۔ خواب میں سرور کائنات ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوئے حضور ﷺ نے مفلوج حصہ پر دست مبارک پھیرا اور اپنی چادر مبارک (بردہ) اُڑھائی۔ آنکھ کھلی تو معلوم ہوا کہ صحت یاب ہو چکے ہیں۔ اسی روز کسی ولی کامل سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے قصیدے کا مطالبہ کیا، حالانکہ انہوں نے ابھی تک کسی کو بھی اس سے مطلع نہیں کیا تھا، لیکن اس بندہ خدا نے کہا کہ میں خود اس مجلس میں حاضر تھا جس میں تُو یہ قصیدہ سنایا تھا اور حضور ﷺ مسرت سے ایسے جھوم رہے تھے جیسے بادنسیم سے نرم و نازک شاخ جھومتی ہو۔ یہ قصیدہ اسلاف میں انتہائی متبرک تصور کیا جاتا رہا ہے۔

حضرت رحمہ اللہ رات کو عموماً پڑھ کر سوتے تھے جس کے نتیجہ میں سرور کائنات ﷺ کی زیارت سے عموماً مشرف ہوتے رہتے تھے۔

قال علیه الصلوة والسلام حرمت النار علی ثلثةِ اعین عین سهرت فی سبیل الله و عین غضت عن محارم الله و عین بکت من خشیة الله و قیل عود وا أعینکم بالبکاء و قلوبکم بالتفکر۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین آنکھوں پر جہنم کی آگ حرام کر دی گئی ہے: (۱) وہ آنکھ جو اللہ کی راہ میں جاگتی رہی۔ (۲) وہ آنکھ جو حرام ٹھہرائی گئی چیزوں پر بند رہی۔ (۳) وہ آنکھ جو خوفِ الٰہی سے رو پڑی۔

اور فرمایا گیا: اپنی آنکھوں کو رونے اور دلوں کو سوچنے کی عادت ڈالو۔

عشق چھپائے نہیں چھپتا اور محبت میں صبر بھی مشکل کام ہے۔ اصمعیؒ نے بیان کیا کہ کسی جنگل

میں ایک پتھر پر میں نے یہ لکھا دیکھا

ایامعشر العشاق باللہ اخبِرمَا۔ اذا حل عشق بالفتی کیف یصنع

اے عاشقو خدا کے لئے مجھے یہ بتاؤ کہ جب کسی کو عشق ہو جائے تو وہ کیا کرے۔ میں نے اس کے نیچے یہ

لکھ دیا۔

یداوی ھواہٗ ثم یکتم سرّہ۔ ویصبر فی کل الأمور ویخضع۔

محبت کا علاج یہ ہے کہ راز کو چھپائے اور سب باتوں میں صبر سے کام لے اور عاجزی اختیار کرے پھر

دوسرے موقع پر دیکھا کہ اور شعر لکھا ہوا ہے۔

وکیف یصبر و الھویٰ قاتل الفتیٰ۔ و فی کُلِّ حین روحہٗ تقطع۔

کیسے صبر کرے جبکہ محبت نوجوان کو مارے ڈال رہی ہو اور ہر وقت اس کی روح ٹکڑے ہو رہی ہو،

اگلے روز میں نے اس کے نیچے یہ لکھ دیا۔

اذالم یطق صبر لکتمانِ سرہ۔ فلیس لہ شئ من الموت انفع

کہ جب اپنے راز کو چھپانے کا حوصلہ نہ ہو تو موت سے بہتر اس کے لئے کوئی بات نہیں

اگلے روز میں نے دیکھا وہاں ایک خوبصورت نوجوان مرا پڑا ہے اور پتھر پر لکھا ہوا ہے۔

ھنیئاً لارباب النعیم نعیمھم ۔ وللعاشق المسکین مایتجرع۔

اصحاب نعمت کو ان کی نعمت مبارک ہو۔ غریب عاشق کیلئے تو وہی ہے جو وہ گھونٹ پی رہا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محبت میلان طبع کو کہتے ہیں جس میں بوجوہ کمی اور زیادتی بھی ہوتی ہے۔ نیز محبت کی بھی جاتی ہے اور ہو بھی جاتی ہے۔

محبت ہونے کی تین وجوہات ہیں یا تو کسی سے اس لئے محبت کی جاتی ہے کہ اس میں صفت جمالی پائی جاتی ہے یا اس کے کمالات کی بناء پر۔ پہلی صفت ظاہری ہے دوسری باطنی یا کسی سے اس لئے محبت کی جاتی ہے کہ اس نے احسان کر کے محبت کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔ بہر حال محبت کی وجوہات یہ ہر سہ (تینوں) ہیں۔

حسن چاہے کسی چہرہ میں ہو، پتھر میں ہو، پتے میں ہو، ذی روح میں ہو یا غیر ذی روح میں، نباتات میں ہو، جمادات میں ہو یا حیوانات میں، پرکشش ہوتا ہے اس میں مقناطیسی جذب پایا جاتا ہے اور طبیعت کا اس طرف میلان ہوتا ہے۔

کمال اعمال میں ہو یا افعال میں، کیفیات میں ہو یا احوال میں وہ بھی طبیعت کے میلان کا باعث ہوتا ہے۔

اسی طرح محسن کے احسانات وعنایات بھی طبائع سلیمہ کے لئے میلان کا باعث ہوتے ہیں۔

ان ہر سہ (تینوں) حقائق کا کسی ایک وجود میں پایا جانا کم ہوتا ہے اور مکمل طور پر پایا جانا از بس مشکل۔

بنی نوع انسان میں علی وجہ الاتم اور کامل ومکمل اعلیٰ واکمل صورت میں یہ ہر سہ صفاتِ موجبات محبت صرف سرورِ کائنات فخر موجودات سید المرسلین خاتم النبیین ﷺ میں ہی پائی جاتی ہیں۔ اس لئے آپ اور صرف آپ ہی اس لائق ہیں کہ آپ کی ذات ستودہ صفات سے محبت ہو اور میلان طبع ہو۔

اور شرعاً آپ کی محبت ایک مسلمان میں اس قدر مطلوب ہے کہ آپ کے مقابلہ میں کسی دوسری چیز سے محبت نہ ہو ورنہ دعویٰ اسلام غلط ہوگا۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے۔ **لایومن احدکم حتیٰ اکون احب الیه من والدهٖ وولدهٖ والناس اجمعین۔**

صاحبِ قصیدہ بردہ اپنے اشعار میں اسی محبتِ نبوی سے سرشار نظر آتے ہیں۔ آئندہ صفحات میں اردو خوان حضرات کے لئے اس قصیدہ کی تسہیل وتفہیم کی کوشش کی گئی ہے۔ واللہ ولی التوفیق۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رب یسر ولا تعسروتمم بالخیر الحمدللہ الذی ارسل المرسلین و بعث النبیین وھو اعلم حیث یجعل رسالتہ والصلوۃ والسلام علی سید المرسلین و امام النبیین سیدنا محمد اصطفاہ اللہ لنبوتہ و رسالتہ وعلی صحبہ وآلہٖ و اتباعہٖ الذین اتبعوہ و عزروہ ونصروہ و آمنوا برسالتہ امابعد۔

امن تذکر جیران بذی سلم مزجت د معاجریٰ من مقلۃ بدمٖ

کیا موضع ذی سلم کے پڑوسیوں کی یاد میں تو خون آمیز آنسو بہا رہا ہے۔

ام ھبت الریح من تلقا، کاظمۃ۔ او اومض البرق فی الظلماء من اضم۔

یا موضع کاظمہ کی طرف سے ہوا چل پڑی ہے۔ یا کوہ اضم کی طرف تاریکی میں بجلی چمکی ہے۔

فَمَا لعینیك ان قلت اکففا ھمتا۔ وما لقلبك ان قلت استفق یھم۔

تیری آنکھوں کو کیا ہو گیا ہے کہ جتنا تو انہیں بہنے سے روکتا ہے وہ اتنی زیادہ بہتی ہیں اور تیرے دل کو کیا ہو گیا ہے کہ جتنا تو اسے حوصلہ دیتا ہے وہ اتنا ہی پریشان ہوتا ہے۔

ایحسب الصب ان الحب منکتم۔ مابین منسجم منہ و مضطرمٖ۔

کیا (بے اختیار) عاشق خیال کرتا ہے کہ بہتی آنکھوں اور (آتش محبت میں) بھڑکتے دل کے باوجود اس کی محبت چھپی رہے گی۔

لولا الھوی لم ترق د معا علی طللٍ۔ ولا ارقت لذکر البان و العلم۔

اگر محبت نہ ہوتی تو (دیارِ محبوب کے آثار کے) ٹیلوں پر تو آنسو نہ بہاتا اور بان وعلم کو یاد کر کے نہ روتا۔

نوٹ: جیسے قد یار کو سرو سے تشبیہ دی جاتی ہے اسی طرح عربی میں درخت بان کی نرم و نازک اور لمبی شاخوں سے قد یار کو تشبیہ دی جاتی ہے اور علم پہاڑ کا نام ہے جہاں منزل محبوب تھی۔

فکیف تنکر حبا بعد ما شھدت۔ بہٖ علیك عدول الدمع والسقم۔

بھلا تو محبت سے کس طرح انکار کرسکتا ہے جبکہ دو منصف گواہ آنسو اور بیماری شہادت دے رہے ہوں۔

نوٹ: عشق ومحبت کے نتیجہ میں رقت قلبی کے ساتھ آنسو بہنا اور بیماری خصوصاً خفقان واضطراب قلب لازم ہیں جس کا علاج محبوب کے سواکسی کے پاس نہیں ہوتا۔عربی کا ایک شاعر کہتا ہے ۔

لسعت حية الهوى كبدى

فلاطبيب لها ولا راق

الا الحبيب الذى شغفت به

فعنده رقيتى و ترياقى

یعنی میرے جگر پہ محبت کے سانپ نے ڈس لیا ہے۔اس کا نہ تو کوئی معالج ہے اور نہ جھاڑ پھونک کرنے والا۔سوائے محبوب کے جس سے مجھے عشق ہے اسی کے پاس اس کا علاج اور دم ہے۔

واثبت الوجد خطى عبرة وضنى ۔ مثل البهار على خديك و العنم

اور محبت وعشق سے جو آنسو بہتے ہیں انہوں نے تیرے گل زرد جیسے رخساروں پر دو لکیریں قائم کر دی ہیں اور (عشق سے) کمزوری اور لاغری ایسی ہوتی ہے جیسے درخت عنم کی نرم ونازک شاخ ہو۔

نعم سرىٰ طيف من اهوىٰ فأرّقنى۔ والحب يعترض اللذات بالالم۔

ہاں رات کو محبوب کی یاد آ گئی تھی جس نے نیند اڑا دی اور محبت،لذتوں اور مسرتوں میں رنج والم پیدا کر دیتی ہے۔

يالائمى فى الهوى العذرى معذرة۔ منى اليك ولو اَنصَفتَ لم تلُم۔

قبیلہ بنوعذرہ جیسی سچی محبت پر ملامت کرنے والے مجھے معذور سمجھ اگر تو انصاف کرتا تو مجھے کبھی ملامت نہ کرتا۔

نوٹ: بنی عذرہ عشق میں مشہور قبیلہ ہے۔کہا جاتا ہے کہ انہوں نے سرور کائنات صلعم کو ایذا دی تھی جس کی سزا وہ بھگت رہے ہیں کہ نہ تو وہ قتل ہوتے ہیں اور نہ ہی کسی دوسری طرح انہیں موت آتی ہے بلکہ عشق میں مبتلا ہو کر چل بستے ہیں اور کسی کی چھبیس سال سے زائد عمر نہیں ہوتی۔(بنوعذرہ اور عذرِ محبت میں لفظی مناسبت واضح ہے)

عدتك حالى لاسرى بمستتر۔ عن الوشاة ولا دائى بمنحسم۔

میرا حال محبت تجھ پہ واضح ہو چکا اور میرا راز چغلخوروں سے بھی چھپا ہوا نہیں اور نہ ہی میری بیماری ختم ہونے والی ہے۔

مَحَضْتَنِی النصح لکن لست اسمعه۔ ان المحب عن العذال فی صَمَم۔

تو نے مجھے مخلصانہ نصیحت کی لیکن میں اسے سن نہیں رہا کیونکہ عاشق ملامت کرنے والوں (کی ملامت) سے بہرا ہوتا ہے۔

انی اتهمت نصیح الشیب فی عذلی۔ والشیب ابعد فی نصح من التهم۔

میں نے ملامت کرنے میں بڑھاپے ناصح کو تہمت لگائی۔ حالانکہ بڑھاپا نصیحت کرنے میں (جھوٹ کی) تہمت سے بہت دور ہے۔

فان امارتی بالسوء ما ا تعظت۔ من جهلها بنذیر الشیب والهرم۔

میرے نفس امارہ نے بڑھاپے اور کہن سالی کی نصیحت کو اپنی جہالت کے سبب قبول نہ کیا۔

ف: نفس کی تین اقسام ہیں۔ (1) **نفس مطمئنة** جو فرمانبردار ہو اور خواہشات اسے مضطرب نہ کریں۔ (2) **نفس لوامة** جو نہ تو فرمانبردار ہو اور نہ ہی خواہشات نفسانی کے پورا کرنے سے اجتناب کرے ہاں بعد میں پشیمان ضرور ہوتا ہے۔ (3) **نفس امارة** جو فرمانبردار نہ ہو اور خواہشات نفسانی کا تابع ہو اور افعال بد پر پشیمان بھی نہ ہو۔

ولا اعدت من الفعل الجمیل قریٰ۔ ضیف الم برأسی غیر محتشم

اور اعمال صالحہ سے میں نے اس مہمان کی تواضع نہ کی اور نہ اس کی عزت وتوقیر کی جو میرے سر پر آیا (یعنی بڑھاپا) یہ ایسا لائق عزت وتوقیر ہے کہ حدیث قدسی میں فرمایا **الشیب نوری** ۔ بڑھاپا میرا نور ہے۔

لوکنت اعلم انی ما اوقره۔ کتمت سراً بدالی منه بالکتم۔

کاش میں جانتا کہ میں اس کی عزت وتوقیر نہیں کرسکوں گا تو اس راز کو جو کھل گیا ہے خضاب سے چھپا دیتا۔

ف: شریعت حقہ میں بڑھاپے کا احترام لازم ہے۔ حدیث میں ہے **من اجلال الله اکرام ذی الشیبة المسلم ماوقرشاب شیخالِشَیبهٖ الا قیض الله فی شیبه من یوقره۔**

بوڑھے مسلمان کا احترام خداتعالیٰ کا عزت واکرام ہے جو جوان صرف بڑھاپے کی بنا پر کسی مسلمان کا احترام کرے گا تو خداتعالیٰ اس کے بڑھاپے میں اس کی عزت وتوقیر کروائے گا۔

من لی برد جماح من غوایتھا۔ کما یرد جماح الخیل باللجم

کون ہے جو میرے نفس سرکش کو گمراہیوں سے واپس موڑ لائے جیسے سرکش گھوڑوں کو لگام سے قابو میں لایا جاتا ہے۔

فلاترم بالمعاصی کسر شھوتھا۔ ان الطعام یقوی شھوۃ النھم۔

گناہوں کے ارتکاب سے خواہشات نفسانی کے ختم ہونے کی آرزو نہ کر۔ کیونکہ کھانا تو خواہشات کو اور زیادہ تقویت دیتا ہے۔

والنفس کا لطفل ان تھملہ شب علے۔ حب ا لرضاع وان تفطمہ ینفطم۔

نفس تو دودھ پیتے بچے کی مانند ہے اگر اسے چھوڑ دو گے تو جوان ہو جانے تک دودھ پیتا رہے گا اور اگر اس سے دودھ چھڑا دو گے تو چھوڑ دے گا۔

فاصرف ھوا ھاو حاذر ان تولیہ۔ ان الھویٰ مَاتولیٰ یصم اویصم۔

اسے خواہشات سے روک دے اور اس کو غالب کرنے سے بچ۔ خواہشات جب غالب ہو جاتی ہیں تو مار ڈالتی ہیں یا عیب ناک کر دیتی ہیں۔

وراعھاو ھی فی ا لاعما ل سائمۃ۔ وا ن ھی استحلت المرعیٰ فلاتسم۔

(نفس کی) نگہبانی کر یہ عمل میں چرنے والے جانور کی طرح ہے۔ اگر وہ کسی چراگاہ کو لذیذ جانے تو اسے چرنے سے روک دے۔

کم حسنت لذۃ للمرء قاتلۃ۔ من حیث لم یدر ان السم فی الدسم

بارہا (نفس نے) لذات کو اچھا سمجھا جو انسان کیلئے قاتل تھیں کیونکہ اس نے یہ نہ سمجھا کہ چکنائی میں زہر ہے۔

واخش الدسائس من جوع و من شبع۔ فرب مخمصۃ شرمن التخم۔

اور ڈرتا رہ مخفی برائیوں سے بھوک سے ہوں یا شکم سیری سے۔ کیونکہ بسا اوقات بھوک شکم سیری سے بُری

ف: جوع (بھوک) کی فضیلت حدیث میں بہت آئی ہے۔ (1) **مامن عمل أحب إلی اللّٰہ تعالیٰ من جوع و عطش۔** خدا تعالی کو بھوک پیاس سے زیادہ پیارا کوئی عمل نہیں لگتا۔ (2)

سیدالاعمال الجوع اعمال کا سردار بھوک ہے۔(3)**الفکر نصف العبادۃ و قلۃ الطعام ھی العبادۃ۔** سوچ نصف عبادت ہے اور کم خوری کامل عبادت ہے۔(4)**افضلکم عند اللہ اطولکم جوعا و تفکراً وابغضکم عنداللہ کل اکول و نووم و شروب۔** خدا کے نزدیک تم میں زیادہ افضل زیادہ لمبی بھوک اور سوچ والا ہے۔اور سب سے زیادہ ناپسندیدہ بسیار خور بڑا سونے اور پینے والا ہے۔(5)**ان الشیطن لیجری من بنی آدم مجری الدم فضیقوا مجاریہ بالجوع والظماء** جہاں جہاں خون سرایت کئے ہوئے ہو وہاں وہاں شیطان بھی سرایت کر جاتا ہے اس کے رستے بھوک اور پیاس سے بند کر دو۔اگر چہ بھوک اعمال صالح میں بہت بلند مقام رکھتی ہے تاہم بھوک وافلاس بعض دفعہ کفر تک پہنچا دیتی ہے۔**کاد الفقران یکون کفرا**۔اور پھر ایسی بھوک جس میں ریا وسمعہ پایا جاوے یا عجب و کبر کا باعث بن جاوے۔اس سے بہتر ہے کہ پیٹ بھر کر کھا لے شاید کہ اللہ تعالیٰ کا شکر کرے اور مغفرت کا مستحق ہو۔ ویسے اس شعر میں کنایہ ہے اور بھوک سے مراد ریا وسمعہ اور عجب و کبر ہے۔جو شیطان کے وساوس سے اعمال صالح کو تباہ کرنے کے لئے پیدا ہو جاتے ہیں اور شکم سیری سے مراد بیکاری سستی فسق و فجور مراد ہے کہ نیک عمل جس میں ریا وسمعہ اور عجب و کبر پایا جاوے اس سے بیکاری سستی فسق و فجور بہتر ہے کیونکہ اس سے تو عمل باطل ہو جاتا اور دوسرے کے بعد ہو سکتا ہے کہ توبہ نصیب ہو جاوے اور **فاولئک یبدل اللہ سیئاتھم حسنات** کا مستوجب ہو اور کبھی کبھی اگر غلطیاں ہوتی رہیں اور انسان سے ہوتی ہی رہتی ہیں تو یہ باعث حرمان نہیں بلکہ باعث رحمت رحمٰن ہیں۔حضور ﷺ کا ارشاد ہے **لولم تذنبوالخشیت علیکم ماھو اکبر من ذٰلک العجب العجب۔** اگر تم جرائم نہ کرو تو میں اس سے بھی زیادہ خطرناک عجب سے خوف کرتا ہوں کہ وہ تم میں پیدا نہ ہو جاوے۔

واستفرغ الدمع من عین قدامتلات۔ من المحارم والزم حمیۃ الندم۔

تیری آنکھ جو حرام سے پر ہو چکی ہے اس سے آنسو بہا۔اور فرض جان ندامت (پشیمانی) کے روکنے کو (یعنی ان جرائم سے بچ جن کا نتیجہ پشیمانی ہو)۔

(1) آنسو بہانا اللہ کے نیک بندوں اور خوف خدا رکھنے والوں کا شعار ہے۔ حدیث میں ہے **اللھم ارزقنی عینین ھطالتین۔** خدایا مجھے آنسو بہانے والی آنکھیں عطا فرمایئے۔ (2) جرم پر

پشیمانی جس کا نتیجہ ترک جرم ہو (مستقبل میں) اور گذشتہ کی تلافی مقصود ہو تو یہ توبہ ہی ہے۔ہاں شرعاً تو جب ہی مقبول ہو گی کہ اگر جرم کا تعلق حقوق العباد سے ہے تو ان حقوق کی تلافی بھی ہو۔(3) مختلف شخصیتوں کی توبہ کے درجات بھی مختلف ہونگے۔مثلاً عوام کی توبہ یہ ہے کہ جرائم ظاہرہ پر ندامت ہ آئندہ نہ کرنے کا عہد ہو اور جو گذشتہ ہے اس کی تلافی ہو۔صالحین کی توبہ اخلاق ذمیمہ باطنہ سے ہو ہے اور متقین کی مشکوک معاملات سے اور محبین کی ذکر سے غفلت کے باعث عارفین کی توبہ ایسے مقام وقوف سے ہوتی ہے جس سے آگے اعلیٰ مقام ہو۔اعلیٰ مقام پر ترقی کرنے سے رک جانا ان کے ل توبہ کا باعث ہوتا ہے۔اسی طرف حضور ﷺ کے ارشاد کا اشارہ ہے۔**انہ لیغان علی قلبی حتی استغفر اللہ فی الیوم واللیلۃ سبعین مرۃ۔** کبھی کبھی میرے دل پر پردہ سا آ جاتا ہے تو میں دن ا رات میں ستر دفعہ استغفار کرتا ہوں۔

وخالف النفس و الشیطان و اعصهما ۔ وان هما محضاك النصح فا تهم۔

نفس وشیطان کی خواہشات کے خلاف کر اور ان کا کہانہ مان۔چاہے کتنے خلوص سے نصیحت کریں پھر بھ جھوٹ سمجھ۔

روایت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاں ایک دفعہ شیطان نے آ کر کہا۔لا الہ الا اللہ پڑھیے۔آ نے فرمایا اگرچہ کلمہ حق ہے لیکن تیرے کہنے پر نہیں پڑھتا۔

ولا تطع منهما خصماً ولا حكما ۔ فانت تعرف كيد الخصم و الحكم۔

اور نفس اور شیطان کا کہانہ مان چاہے وہ دشمن کے لبادہ میں ہو یا حاکم کے۔تو دشمن اور حاکم کے فریب ک جانتا تو ہے۔

ف: شیاطین جناتی ہوں یا انسانی جیسے کہ مبتدعین ملحدین، چاہے وہ دشمن کی صورت میں ہوں حکام کی پوزیشن میں۔کیونکہ وہ رسول کریم صلعم کی نافرمانی کے مرتکب ہو کر شر وخباثت میں شیاطین ک مساوی ہو چکے ہیں۔ان کی کوئی بات ماننا یا خوشروئی سے ملنا اور ان کے بارے میں حق گوئی سے پہلو تہ کرنا یا ان کے لباس وعادات میں موافقت اختیار کرنا ان کی دشمنی سے محفوظ رہنے کے لئے یا وقتی فائد حاصل کرنے کے لئے ناجائز ہے بلکہ ان کو بنظر حقارت دیکھنا ان پر توجہ نہ دینا اور خداوند قدوس پر بھروس

رکھنا مومن کے لئے ضروری ہے۔ ارشاد خداوندی ہے۔ **ولا تدکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار** یعنی ظالموں کی طرف مت جھکو ورنہ تم دوزخ کی آگ کے مستحق ہو جاؤ گے نیز فرمایا **لا تجد قوما یومنون باللہ والیوم الآخر یوادون من حاداللہ و رسولہ۔** جولوگ خدا اور رسول کی مخالفت کرتے ہیں ان سے مومنوں کو محبت اور دوستی کرتے ہوئے تو کبھی نہ دیکھے گا۔ نبی کریم صلعم کا ارشاد ہے **من تشبہ بقوم فھو منھم** جو کسی قوم سے مشابہت کرے تو وہ انہی سے شمار ہوگا۔ **من وقر صاحب بدعۃ فقد اعان علی ھدم الاسلام** جو کسی بدعتی کی عزت وتوقیر کرے وہ اسلام کے ختم کرنے پر اعانت کرنے کا ملزم ہے۔ **من احب للہ وابغض للہ واعطی للہ و منع للہ فقد استکمل الایمان۔** جس کی محبت و ناراضگی اور عطاو منع اللہ کے لئے ہو اس نے اپنا ایمان مکمل کرلیا۔ روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو وحی کی کہ اگر تجھے حب فی اللہ اور بغض فی اللہ نہیں تو چاہے تو کل آسمان وزمین کی آبادی جتنی عبادت کرے تو میرے نزدیک اس کی کچھ بھی وقعت نہیں۔ بروایت مدارک التنزیل سہل فرماتے ہیں کہ جس کا ایمان درست ہو جاوے اور توحید خالص ہو وہ کبھی کسی بدعتی سے مانوس نہیں ہوسکتا اور نہ ہی اس کے ساتھ بیٹھ سکتا ہے بلکہ ایسے لوگوں سے اس کی عداوت واضح ہو جاتی ہے جس نے کسی بدعتی کیلئے مداہنت کی اللہ تعالیٰ یقین کی حلاوت اس کے دل سے سلب فرمالیتے ہیں اور جو بدعتی کی دعوت قبول کرلے تاکہ اسے عزت و متاع دنیا حاصل ہو جاوے تو اللہ تعالیٰ اسے ذلیل کر دیتے ہیں اسے عزت کے بدلے ذلت اور غنیٰ کے بدلے اسے محتاج بنا دیتے ہیں اور جو کسی بدعتی سے ملاقات کر کے خوشی کا اظہار کرے اس کے دل سے اللہ تعالیٰ نور ایمان سلب فرمالیتے ہیں۔

استغفر اللہ من قول بلاعمل۔ لقد نسبت بہٖ نسلا لذی عقم۔

ایسا قول جس پر خود عمل نہ کروں میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت کا طلب گار ہوں۔ یہ تو ایسے ہے جیسے بانجھ عورت کو اولاد کی نسبت کردوں۔

ارشاد الٰہی ہے **کبر مقتا عند اللہ ان تقولوا مالا تفعلون۔** خدا تعالیٰ کی سخت ناراضگی ہوتی ہے کہ تم ایسی بات کہو جس پر خود عمل نہ کرو۔ جبھی فوراً طلب مغفرت کی اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

ومن یعمل سوء أ اویظلم نفسه، ثم یستغفر الله یجد الله غفوراً رحیما۔ جو برائی کرے یا اپنے نفس پر ظلم کرے پھر اللہ سے مغفرت کا طلب گار ہو تو خدا تعالیٰ کو بخش دینے والا رحم کرنے والا پائے گا اور حضور ﷺ فرماتے ہیں **لو اخطاء تم حتی تملا خطا یا کم مابین السماء والارض ثم استغفر تم یغفرلکم۔** اگر تم اتنے گناہ کرو کہ آسمان و زمین کی فضا بھی اس سے بھر جائے پھر معافی مانگ لو تو تمہیں معاف کر دیا جائے گا۔ جب دوسروں کو نصیحت کرے اور خود میاں فضیحت ہو تو اس کی نصیحت موثر اور کارگر نہیں ہوتی بلکہ استہزاء کا باعث بنتی ہے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں **من امر بالمعروف ونهی عن المنکر فهو خلیفة الله فی ارضه و خلیفة رسوله خلیفة کتابه۔** جس نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کیا تو وہ خدا تعالیٰ کا اس کی زمین میں اور رسول اللہ و کتاب اللہ کا خلیفہ ہے۔ یہ جبھی ہو سکتا ہے کہ امر و نہی میں اور اقوال و افعال و احوال میں متبع سنت ہو۔

ف: جو محبت خداوندی کا مدعی ہو اور متبع سنت نہ ہو وہ جھوٹا ہے۔ کیونکہ فرمایا **قل ان کنتم تحبون الله فاتبعونی یحببکم الله۔** اگر تم خدا سے محبت کرتے ہو تو میری فرمانبرداری کرو خدا تم سے محبت کرے گا۔

بروایت مدارک حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا **یوتی بالعالم یوم القیامة فیلقی فی النار فیندلق اقتابه فیدور بهٖ کما یدور الحمار بالرحیٰ فیطیف بهٖ اهل النار فیقولون ما لك فیقول کنت آمر بالخیر ولا آتیه وانهی عن الشروآتیه۔** ایک عالم قیامت کے روز دوزخ میں پھینکا جائے گا اس کی انتڑیاں زمین پر ڈھیر ہونگی اور وہ ان کے گرد اس طرح چکر کاٹے گا جس طرح گدھا چکی کے گرد چکر کھاتا ہے۔ وہ اسے دوزخیوں کے ہاں لئے پھرے گا کہیں گے تجھے کیا ہوا تو جواب دے گا میں لوگوں کو نیک کام بتلاتا تھا اور خود نہیں کرتا تھا اور برائیوں سے روکتا تھا اور خود نہیں رکتا تھا۔

امر تك الخیر لکن ماائتمرت به۔ وما استقمت فما قولی لك استقم۔

میں نے تجھے نیکی کا حکم دیا لیکن خود اس پر عمل نہیں کیا۔ خود تو استقامت اختیار نہیں کی اب تجھے استقامت کا کہوں تو اس کا کیا اثر ہو۔

ولا تزودت قبل الموت نافلة ۔ ولم اصل سویٰ فرض ولم اصم۔

میں نے موت سے قبل نفل عمل کر کے زادِ سفر بھی تیار نہ کیا۔اور فرض نماز روزہ کے سوا کچھ نہ کیا۔

ف: طویل سفر جو درپیش ہے جہاں کوئی ساتھی دوست یا حمایتی اور رفیق شفیق نہ ہوگا اس کے لئے نفلی عبادت جو باعث قرب الٰہی اور بہترین زادِ سفر ہے تیار نہ کیا۔حدیث قدسی ہے **مازال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتی احببته فکنت سمعه الذی یسمع بہٖ و بصره الذی یبصر بہٖ ویده الذی یبطش بها ورجله الذی یمشی بها۔** میرا بندہ نوافل کی ادائیگی کرتے کرتے اس مقام پر ترقی کر جاتا ہے کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں پھر اس کے کان آنکھ ہاتھ پاؤں میری مرضیات کے تابع ہو جاتے ہیں۔

ظلمت سنة من احیي الظلام الیٰ۔ ان ا شتکت قدماه الضرمن ورم۔

(آہ) میں نے اس (ذات بابرکات) کے طریق کار سے لاپرواہی برتی۔جس کی شب بیداری سے پاؤں متورم ہو جاتے تھے۔

نبی اکرم ﷺ نماز تہجد میں اتنا لمبا قیام فرماتے کہ مبارک قدموں پر ورم آجاتا۔ایک دفعہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ آپ اتنی تکلیف کیوں اٹھاتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ نے فرمادیا **یغفرلك الله ماتقدم من ذنبك وماتاخر۔** یعنی جو سابقہ زمانہ میں ہو چکا اور جس کا آئندہ امکان ہے سب کی مغفرت ہو چکی۔تو نبی کریم صلعم نے ارشاد فرمایا **افلا اکون عبداشکورا** تو کیا میں (اس احسان عظیم پر) شکر گزار بندہ نہ ہوں۔خدا تعالیٰ نے قیام اللیل کے بارے میں فرمایا **والذین یبیتون لربهم سجداو قیاما** جو لوگ خداوند قدوس کی بارگاہ میں قیام وسجود کی حالت میں رات گزار دیتے ہیں دوسری جگہ فرمایا **تتجافی جنوبهم عن المضاجع یدعون ربهم** اپنے پہلوؤں کو بستر پر لگنے نہیں دیتے اور اپنے پروردگار کے سامنے دست بدعا رہتے ہیں۔پھر فرمایا **فلا تعلم نفس ما اخفی لهم من قرة اعین** کہ کوئی نفس کیا جانے کہ اس کے لئے کونسے سامان راحت تیار کئے گئے جن سے اسے آنکھوں کی ٹھنڈک نصیب ہوگی۔یہ ان کے ان اعمال صالحہ کا بدلہ ہے۔

اور نبی اکرم صلعم نے فرمایا **علیکم بقیام اللیل فانه مرضاة لربکم وهود أب**

الصالحين قبلكم ومنهاة عن الاثم وملغاة للوزر ومذهبة كيد الشيطن ومطرد للداء عن الجسد۔ رات کے قیام کی عادت ڈالواس سے تمہارا رب راضی ہوگا اور یہ تم سے پہلے نیک لوگوں کی عادت ہے۔ گناہ کی رکاوٹ کرے گا بوجھ ہلکا کرے گا شیطان کے مکروفریب کو دور کرے اور جسم سے بیماری کو دور کرے گا نیز فرمایا **قم الليل ولو بقدر حلبة شاة** شب بیداری کرگرچہ بکری کا دودھ دوہنے جتنا وقت ہو۔ نیز فرمایا **اذا نام العبد عقد الشيطان على آذانه ثلث عقدٍ فان قعد و ذكر الله تعالىٰ انحلت عقدة به وان توضا انحلت عقدة أخرى وان صلى ركعتين انحلت العقد كلها فاصبح نشيطاطيب النفس والا اصبح كسلانا خبيث النفس** نیز فرمایا **من نام حتى يصبح بال الشيطن فى اذنه فمن حرم قيام الليل فقد حرم خير اكبيرا۔**

ترجمہ: جب آدمی سوجاتا ہے تو شیطان اس کے کانوں پر تین گرہیں لگا دیتا ہے پس (صبح کو) اگر وہ اٹھ بیٹھتا ہے اور اللہ کا نام لیتا ہے تو ایک گرہ کھل جاتی ہے اور اگر وہ وضو کر لیتا ہے تو دوسری گرہ کھل جاتی ہے اور اگر وہ دو رکعت نماز پڑھ لیتا ہے تو تمام گرہیں کھل جاتی ہیں۔ پس وہ چاق و چوبند خوش وخرم پاکیزہ نفس ہو کر صبح کرتا ہے۔ ورنہ سست اور خبیث نفس ہو کر اٹھتا ہے اور جو شخص صبح تک سویا رہے شیطان اس کے کانوں میں پیشاب کر دیتا ہے۔ پس جو رات کے قیام سے محروم ہوا وہ بہت بڑی خیر سے محروم ہوا۔

وشد من سغب أحشاء ه وطوىٰ۔ تحت الحجارة كشحا مترف الادم۔

جس نے باندھا اور لپیٹا ہوا تھا بھوک کی وجہ سے پتھروں سے اپنا پیٹ جو انتہائی نازک جلد والا تھا۔ آپ ﷺ عموماً متواتر روزے سے رہتے اور کئی کئی روز نہ کھاتے اور پیٹ کے خلا کو بند کرنے کے لئے پتھر باندھتے۔

حضرت طلحہؓ سے روایت ہے کہ **شكونا الى رسول الله صلى الله عليه وسلم الجوع ورفعنا عن بطوننا عن حجر حجر فرفع رسول الله ﷺ عن بطنه عن حجرين۔** ہم نے بارگاہ نبوی میں بھوک کی شکایت کی پیٹ سے کپڑا اٹھا کر ایک ایک پتھر باندھا ہوا دکھایا تو حضور صلعم نے اپنے پیٹ پر بھی دو پتھر باندھے ہوئے دکھائے۔ یاد رہے کہ یہ بھوک اختیاری تھی نہ کہ

اضطراری کیونکہ جب دنیا آپ کے سامنے پیش کی گئی تو آپ نے فرمایا مجھے اس کی ضرورت نہیں بلکہ میں چاہتا ہوں کہ اگر کسی دن پیٹ بھروں تو دوسرے دن بھوکا بھی رہوں۔

وراودته الجبال الشم من ذهب۔ عن نفسه فاراها ایما شمم۔

بلند پہاڑوں نے سونے کا بن کر پیش ہونا چاہا۔ علو ہمت دیکھیے کہ آپ نے ادھر توجہ ہی نہ دی۔ جسے خدائے قدوس کا حضور و شہود نصیب ہو وہ اس کی ادنیٰ ترین مخلوقات کی طرف کب متوجہ ہوتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ جب جبریل نے عرض کیا کہ خدائے برتر فرماتے ہیں اگر آپ چاہیں تو یہ سونے کے پہاڑوں میں تبدیل ہو جائیں اور آپ انہیں جس طرح چاہیں استعمال میں لائیں۔ **فأطرق ساعة ثم قال يا جبريل الدنيا دارمن لادارله ومال من لامال له قد جمعها من لاعقل له۔** آپ نے سوچنے کے انداز میں سر جھکایا اور فرمایا جبریل دنیا تو اس کا گھر ہے جس کا کوئی گھر نہ ہو اور جس کا کوئی مال نہ ہو یہ اس کا مال ہے اور اسے وہی اکٹھا کرتا ہے جس میں عقل نہیں ہوتی اس پر جبریل نے کہا **قدثبتك الله يا محمد باالقول الثابت۔**

واكدت زهدهٔ فيها ضرورته۔ ان الضرورة لا تعدو اعلى العصم

جتنی ضروریات بڑھتی تھیں آپ کی دنیا سے بے رغبتی اتنی زیادہ مضبوط ہوتی جاتی تھی کیونکہ ضروریات اہلِ عصمت پر غالب نہیں ہوتیں۔

الزهد دنیا کے حصول پر قدرت کے باوجود اس کی رغبت نہ ہونا۔ اسی کا دوسرا نام فقر ہے جس کے متعلق فرمایا **الفقر فخرى** اور اسی کے متعلق ارشاد ہے **احب العباد الى الله تعالىٰ الفقير القانع** نیز **يدخل فقراء امتى الجنة قبل اغنياء ها بخمس مائة عام**

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کو قناعت پسند تنگ دست بہت محبوب ہے مزید فرمایا کہ میری امت کے مفلس لوگ مالداروں سے پانچ سو سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔

اور اگر نہ تو قدرت ہو اور نہ ہی برداشت ہو تو وہ دوسرا فقر ہے جس کے متعلق ارشاد ہے **كاد الفقر ان يكون كفرا** اور **اللهم انى اعوذ بك من الفقر** نیز **الفقر سواد الوجه فى الدارين۔**[1] حضور ﷺ کا زہد عصمت الٰہی کی بنا پر تھا۔ خدا تعالیٰ کے ازلی لطف و احسان و ابدی و سرمدی

---

[1] ترجمہ: فقر و افلاس کفر میں ڈھل سکتا ہے اور فرمایا میں فقر سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔ نیز یہ کہ فقر دونوں جہانوں میں چہرے کی سیاہی کا سبب ہے۔

عنایات ورحمت کے باعث جب آپ نے دنیا کی حقیقت پر نگاہ فرمائی تو وہ یوں نظر آئی جیسے مبغوض
خسیس وفانی ہے اور آلام واسقام سے بھرپور ہے اور آخرت کی حقیقت یوں دیکھی کہ مرغوب ومحبوب غیر
فانی اور ہر قسم کے آلام واسقام سے مبرا ہے تو دنیا سے بے رغبتی اور نفرت پیدا ہوگئی بالآخر یوں دعا فرمائی
اللهم لاتجعل الدنیا مبلغ علمی ولا اکبرهمی۔ اور دنیا کی حقیقت امت کو یوں سمجھائی کہ
لو کانت الدنیا تزن عند الله جناح بعوضة لما سقی منها کافر اشربة ماء۔[۲]

فکیف تدعوا الی الدنیا ضرورة من لولاه لم تخرج الدنیا من العدم۔

اور دنیا حضور کے لئے باعث رغبت کس طرح ہوتی جبکہ دنیا کے وجود کا باعث خود حضور کی ذات اقدس ہے۔ دنیا کے عدم سے معرض وجود میں آنے کا باعث جب حضور کی ذات بابرکات ہے تو حضور کو اس کی رغبت کیسے ہوتی حدیث قدسی ہے۔ **لولاك لما خلقت الافلاك** ۔ اگر تجھے ظہور میں نہ لانا ہوتا تو ساری کائنات کو میں پیدا نہ کرتا۔

محمد سید الکونین والثقلین ۔ والفریقین من عرب و من عجم۔

محمد ﷺ کونین وثقلین کے سردار ہیں۔ نیز عرب وعجم ہر دو علاقوں کے

نبی کریم ﷺ کی دنیا وآخرت جن وانسان اور عرب وعجم سب پر فوقیت وسیادت مسلم ہے۔

حدیث میں ہے "**لو کان موسی بن عمران حیا لما وسعه الا اتباعی وانا اکرم الاولین والآخرین عندالله ولا فخر وَانا سید ولد آدم ولا فخر و آدم و من دونه تحت لوائی**"۔ موسیٰ بن عمران زندہ ہوتے تو میری اتباع کے سوا انہیں کوئی چارہ نہ تھا۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے اولین وآخرین پر عزت بخشی یہ فخر سے نہیں کہہ رہا۔ اور اولاد آدم کا میں سردار ہوں۔ یہ بھی فخر سے نہیں کہتا آدم اور جو بھی اس کے علاوہ ہیں میرے جھنڈے تلے ہوں گے۔

یدره الخضب اقنی العرنین له نور یعلو یحبه من لم تیامله اشم کث اللحیته ادعج سهل الخدین ضلیع الفعدا شنب مفلج الاسنان دقیق المسوبة کان عنقه جید دمیته فی مفاد القصته معتدل الخلق بادنا قما سکا سواء البلن و الصدر

---

۲ اے اللہ میرے علم کا منتہیٰ دنیا نہ بنانا اور نہ اسے میری بڑی خواہش بنانا .... اگر اللہ تعالیٰ کے ہاں دنیا مچھر کے برابر بھی ہوتی تو وہ کسی کافر کو ایک گھونٹ پانی نہ پلاتا۔

شیخ الصدی بعینہ مابین المنکبین فخر الکوا دیس انور المتجرد موصول مابین اللیتہ والرۃ بشعر یجری کالحظ عادی التدمین ماسویٰ ذالک اشعر الذارعین والمکبین واعالی الصدر طویل ا لزیذین رحب الراھتہ مثن الکغین والقدمین مسائل الاطراف سبط العصب خمصان الاخمعین مسیح القدمین ینبو عنھما الماء اذا زال نمال اتقلعا ویخطو تکفلا و عیشی ھونا و زیع المشیتہ اذامشی کانما یحط من سبب اذالتفت التفت جمیا خافض الطرف نظرہ الی الارض اطول من نظرہ الی السماء جل نظرہ الملاحظتہ یسوت اصحابہٗ ویبدا من لقیہ بالسلام الحدیث حضور صلم ذاتی طور پر عظیم تھے اور دوسروں کے نزدیک بھی معظم۔ چودھویں کے چاند کی طرح آپ کا چہرہ چمکتا تھا۔ میانہ قد سے قدرے لمبا اور لمبے قد سے قدرے کم قد تھا۔ سر مبارک بڑا، بال سیدھے قدرے گنگھر یالے اگر اتفاقاً مانگ نکل آتی تو بہتر ورنہ اس میں تکلف نہ تھا اور بال اگر بڑھ جاتے تو نرمۂ گوش سے تجاوز کر جاتے۔ رنگ روشن پیشانی فراخ ابرو بالوں سے پر اور خم دار جڑے ہوئے نہ تھے درمیان میں رگ ہوتی جو ناراضگی کے وقت ابھر آتی۔ ناک ستواں اس پر ہر وقت چمک نمایاں رہتی غور نہ کرنے والے کو دراز بینی محسوس ہوتی ریش مبارک گنجان۔ پتلیاں سیاہ رخسار مبارک سبک۔ دین فراخ، دندان آبدار اور درمیان میں معمولی کھینیں تھیں۔ سینہ سے ناف تک بالوں کی باریک دہاری۔ گردن جیسے مورت تراشی ہو چاندی کی طرح سفید متناسب اعضا پر گوشت کسا ہوا جسم، پیٹ اور سینہ برابر سینہ قدرے ابھرا ہوا چوڑے چکلے شانے۔ موٹے جوڑ۔ کپڑے اتارے ہوں تو جسم انتہائی روشن۔ سینہ سے ناف تک بالوں کی باریک دہاری۔ سینہ پر بال نہ تھے۔ دونوں بازو سینہ کے اوپر کے حصہ بشمول شانوں کے معمولی و مناسب بال۔ کلائیاں دراز، ہتھیلیاں فراخ و پر گوشت نیز قدم بھی پر گوشت۔ انگلیاں لمبی۔ اعصاب ہموار، تلوے قدرے گہرے، قدم پر پانی نہ ٹھہرتا۔ چلنے کیلئے پاؤں اٹھتے تو قوت سے پاؤں اکھڑتا۔ قدم اس طرح رکھتے کہ آگے جھک جاتا۔ تواضع سے قدم بڑھا کر چلتے۔ معلوم ہوتا جیسے پستی سے اترے ہیں۔ جب کسی چیز کو ملاحظہ فرماتے تو پورے مڑ جاتے۔ نگاہ نیچی رکھتے۔ زمین پر نظر آسمان کی طرف نظر سے زیادہ پڑتی عموماً (حیا سے) گوشہ چشم سے ملاحظہ فرماتے۔ چلنے میں ساتھیوں کو آگے بڑھاتے اور سلام کہنے میں ابتداء فرماتے۔ حضرت انس فرماتے ہیں **کان**

يصافح المصافح فيظل يومه يجد ريحها فيضع يده على رأس الصبي فيعرف من بين الصبيان بريحها ونام في دارانس فعرق فجاء ت امه بقارورة تجمع فيه عرقه فسألها رسول الله صلعم فقالت نجعله في طيبنا وهواطيب الطيب۔ حضو صلعم جب کسی سے مصافحہ فرماتے اسے سارا دن اپنے ہاتھوں سے خوشبو آتی رہتی۔ اگر کسی بچہ کے سر ہاتھ پھیر دیتے تو وہ خوشبو کی وجہ سے دوسرے بچوں میں فوراً پہچانا جاتا۔ ایک دفعہ آپ انس کے گھر میں سوئے تو آپ کو پسینہ آ گیا حضرت انس کی والدہ نے اسے شیشی میں جمع کرنا شروع کر دیا۔ آپ کے سوال کے جواب میں انہوں نے عرض کیا کہ ہم اسے خوشبو میں ملا لیں گے۔ کیونکہ یہ سب سے بہترین خوشبو ہے۔**فسبحن الذی لا اله الاهو خالق کل شیٔ ومصوره۔**

ف: سیرت میں بھی آپ سب انبیاء سے فوقیت رکھتے تھے خود ہی فرمایا**بعثت لاتمم مکارم الاخلاق** مجھے اعلیٰ اخلاق کی تکمیل کیلئے مبعوث کیا گیا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے۔**وانك لعلیٰ خلق عظیم** بلاشک تو عظیم اخلاق سے موصوف ہے۔ سید علی ثانی ہمدانیؒ فرماتے ہیں کہ مکارم اخلاق انسانیت کے اصول جو کمالات واوصاف کی جڑ ہیں وہ دس ہیں۔ باقی صفات ان ہی کی شاخیں ہیں۔ وہ یہ ہیں علم۔ حلم۔ حیا۔ سخاوت۔ تقویٰ۔ شجاعت۔ عدل۔ صبر۔ صدق۔ یقین اور یہ صفات بدرجہ کمال واتم صرف ذات نبوی علی صاجہا الصلوات والتسلیمات میں ہی پائی جاتی ہیں۔ جتنا جتنا ان حقائق کو انبیاء اولیا، علماء حاصل کر سکے اتنا اتنا انہیں روح نبویہ سے معنوی رابطہ حاصل ہو گیا اور حضرت صمدیہ میں قرب کا وسیلہ میسر آیا۔

ف: اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا**وَما أرسلناك اِلّا رحمة للعالمين۔** یعنی سب جہانوں کے لئے آپ کی رحمت عام ہے جس میں مسلمان وکافر۔ انسان وحیوان، نباتات و جمادات کسی کی تخصیص نہیں۔ اگر آپ **بالمؤمنين رؤف رحيم** ہیں تو غیر مومن کے لئے **حريص عليكم** اور پھر **لعلك باخع نفسك** والی صفت بھی تو کفار کے حق میں ہے۔ بحالت جنگ دشمن پر بھی رحم وکرم کی بارش ہو رہی ہے اور مومنین کو نصیحت کی جا رہی ہے۔ دیکھو اگر کوئی بوڑھا ہے تو اس کے خون سے ہاتھ مت رنگو۔ عورت تو ہے ہی صنف نازک مردان پر ہاتھ اٹھایا نہیں کرتے بچہ اگر چہ دشمن اور کافر کا ہے لیکن

وہ تو معصوم ہے اور سب کے مشترکہ رحم و کرم کا سزاوار۔ اگر چہ ان سے جنگ ہی ہو تو عبادت گذاروں تارک الدنیا درویشوں اور ان لوگوں کو جو گوشہ نشین ہو گئے ہوں اگر چہ تمہاری دشمن قوم سے تعلق رکھتے ہوں کچھ نہ کہو بلکہ سب کو رحم و کرم کا سزاوار سمجھو۔ اسی طرح حیوانات کے حقوق بھی قائم کر دیئے۔ مارو پیٹو نہیں بھوکا پیاسا مت رکھو اگر کبھی غصہ سے مجبور ہو جاؤ تو ان کے نرم حصہ پر مارو اور منہ پر مت مارو۔ ان کے آرام کا پورا خیال رکھو اور پھر سبزہ کو نقصان مت پہنچاؤ۔ سبز درخت کو بلاوجہ مت کاٹو۔ سایہ دار درخت کے نیچے قضاء حوائج نہ کرو وغیرہ وغیرہ، الغرض آپ کی رحمت و رافت عامہ جمیع عالمین پر سایہ فگن ہے۔ اور آپ کے علم و کرم اور رحمت و رافت میں کوئی بھی آپ کا ہمسر نہیں ہے۔

وکلھم من رسول اللہ ملتمس۔ غرفا من البحر اور شفا من الدیم

اور سب (انبیاء) رسولِ خدا کے سمندر سے ایک چلو یا موسلا دھار بارش سے چند قطروں کے طالب ہیں۔

ف: رسول اکرم صلعم کے ہاں جو جواہر المعارف یا مروارید اسرار ہیں ان کی مثال ایسی ہے جیسے سمندر ہو یا زوردار بارش اور دوسرے انبیاء کی مثال یوں ہے جیسے چلو بھر پانی یا چند قطرے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے **لی مع اللہ وقت لا یعنی فیہ ملك مقرب اونبی مرسل** ۔ تعلق مع اللہ کے بعض اوقات ایسے آ جاتے ہیں جہاں تک نہ کسی مقرب فرشتے اور نہ ہی نبی رسل کی پہنچ ہو سکتی ہے۔ اس لئے آپ کے معارف و اسرار کی ان سب کو اسی طرح طلب و خواہش اور احتیاج ہے جیسے کسی بچے کو اپنے مربی کی احتیاج ہے۔

معارف و اسرار نبویہ کی مثال سمندر سے دی گئی جس کا پانی کبھی باسی نہیں ہوتا اور اس کی عمق و وسعت کی بھی انتہا نہیں بالکل اسی طرح ارشادات نبوی کسی زمانہ میں بھی پرانے اور نا قابلِ عمل نہیں اور ان کے غوامض وسعت زمانی کی بھی انتہا نہیں اور جوں جوں اس پر غور و فکر کیا جائے پھر اس کی گہرائیاں گراں قدر موتیوں سے مملو ہوتی ہیں اور گراں قدر دینی و دنیاوی ہدایات سے مالا مال ہیں۔

وواقفون لدیه عندحدھم۔ من نقطة العلم اومن شكلة الحكم

اور سب آپ کے روبرو اپنی مقررہ حد پر کھڑے ہیں۔ آپ کے علوم کے ایک نقطہ یا حکمت کا بندھن حاصل کرنے کے لئے۔

ف: نبی کریم ﷺ کے علم کے ایک نقطہ یا آپ کی حکمت کے ایک حصہ کے حصول کیلئے سب انبیاء اپنی اپنی حدود کے اندر قائم ہیں۔ کیونکہ ان کے علم و حکمت حضور صلعم کے علوم و حکم سے مستفاد ہیں۔ جیسا کہ علم الٰہی کے سامنے دوسری مخلوقات کے علوم کی کوئی حقیقت نہیں اسی طرح علم نبوی کے سامنے ان کے علوم کو بھی صرف ایک نقطہ کی نسبت حاصل ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ **وما اوتیتم من العلم الاقلیلا** تمہیں علم کا بہت تھوڑا حصہ دیا گیا ہے۔ حضرت موسیٰ و خضر کے واقعہ میں ہے کہ جب دونوں حضرات کشتی پر سوار ہوئے تو ایک چڑیا آئی اور اس نے کشتی کے کنارے پر بیٹھ کر سمندر سے پانی کی ایک چونچ بھری تو حضرت خضر نے موسیٰ علیہ السلام سے سوال کیا کہ اس چڑیا نے سمندر سے کتنا پانی پیا ہے یعنی چڑیا کے چونچ میں آنے والا پانی اس سمندر سے کیا نسبت رکھتا ہے تو حضرت موسیٰ نے جواب دیا کہ قطرہ آب کو سمندر کے بے انتہا پانی سے کیا نسبت ہو سکتی ہے تو حضرت خضر نے کہا **ما علمی وعلمك وعلم الخلایق** فے علم اللہ تعالیٰ **الا کما عمسن هذا العصفور منقاره** ۔ میرے تمہارے اور ساری مخلوقات کے علم کو علم الٰہی سے اتنی ہی نسبت ہے جتنی چڑیا کے چونچ والے پانی کو سمندر کے پانی سے۔

فهو الذی تم معنا ہ وَ صورته۔ ثم اصطفاه حبیباً باریٔ النسم

پس آپ ہی ہیں جن کے کمالات معنوی و صوری کامل ہیں۔ پھر خالق مخلوقات نے آپ کو حبیب چن لیا۔

ف: بلاشبہ نبی کریم ﷺ ہی ہیں جن کے ظاہری و باطنی کمالات مکمل و اکمل ہیں اور پھر کیوں نہ ہوں آپ تو برگزیدہ خالق کائنات ہیں اور محبوب خدا۔ ارشاد نبوی ہے الا وَ انا حبیب اللہ ولا فخر۔ سنو میں محبوب الٰہی ہوں اور یہ کوئی فخر نہیں کر رہا۔

منزہٌ عن شریك فی محاسنه۔ فجوهر الحسن فیه غیر منقسم۔

آپ اپنی خوبیوں میں کسی ہمسر سے پاک ہیں۔ آپ کے حسن کا جوہر تقسیم نہیں ہو سکتا۔

ف: ظاہری و باطنی حسن میں آپ کا نہ تو کوئی ہمسر ہے اور نہ ہی شریک و سہیم۔ آپ کی خوبیوں کی حقیقت کسی دوسرے میں نہیں پائی جا سکتی۔

دع ما ادعته النصاریٰ فی نبیهم۔ واحکم بماشئت مدحا فیه وَاحتکم۔

عیسائیوں نے اپنے نبی (عیسیٰ) کے متعلق جودعویٰ کیا ہے اسے چھوڑ دے۔اس کے علاوہ آپ کی مدح اور توصیف میں جو بھی تو چاہے بیان کر۔

ف: عیسائیوں نے جناب عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق اتحاد **لاھوت و ناسوت یا حلول لاھوت فی الناسوت** کے جو دعاوی کئے ہے وہ غلط اور باطل ہیں۔کیونکہ کوئی چیز کوئی دوسری چیز نہیں بن سکتی لہذا نبی کریم ﷺ کی مدح وتوصیف میں ایسی فضول و باطل باتیں مت کہو۔اس کے علاوہ آپ کی مدح وتوصیف جتنا بھی بڑھا چڑھا کر بیان کرو اجازت ہے۔

وانسب الیٰ ذاته ماشئت من شرف۔ وانسب الی قدره ماشئت من عظم

آپ کی ذات کی طرف جس بھی شرف (ظاہری) کی چاہو نسبت کرو اور آپ کے مرتبہ کی طرف جس بھی عظمت (باطنی) کی نسبت چاہو کرو۔

ف: آپ کے حسن ظاہری کے دقایق جو بھی بیان کئے جائیں کم ہیں کیونکہ ان کی کوئی انتہا ہی نہیں ہے حقیقت یہ ہے کہ محاسن ظاہری بھی اللہ تعالیٰ نے سب کے سامنے واضح نہیں فرمائے۔اپنے اپنے ذہن وادراک کے مطابق ہر دیکھنے والے نے حصہ پایا۔ورنہ اگر محاسن ظاہری بالکلیہ ظاہر واضح ہو جاتے تو کوئی آنکھ بھی آپ کے چہرہ مبارک کو دیکھنے کی تاب نہ لاتی۔اور جس کے حسن باطنی کی خالق کائنات نے **وانك لعلى خلق عظيم** کے الفاظ میں تعریف فرمائی اور خود فرمایا **ادبنی ربیَ فأحسن تادیبی** پروردگار نے میرے محاسن باطنی کی تربیت فرمائی اور خوب فرمائی۔اور سیدہ عائشہؓ نے اخلاق نبوی کے متعلق مسائل کے جواب میں فرمایا **کان خلقه القرآن** اخلاق وآداب واحکامِ قرآنیہ کا مجسمہ دیکھنا ہو تو وہ حضور صلعم کی ذات بابرکات تھی۔حقیقت یہ ہے کہ جس ذات قدسی صفات کی توصیف میں کلام الٰہی کی آیات گواہ و شاہد ہوں یا دوسرے الفاظ میں کہ خالق کائنات خود جس کا اپنی مخلوق میں سے مدح سرا ہو اس کی مدح سرائی مخلوق سے بھلا کیا ہو سکتی ہے بلکہ اور مدح سرائی کر کے آپ کی شان میں کیا اضافہ کر سکتی ہے۔ہاں آپؐ کی مدح وتوصیف سے ہم اپنے کلام کو سجا لیتے ہیں۔ **ما ان مدحت محمد بمقالتی۔ ولکن مدحت مقالتی بمحمد۔** میں نے اپنے اشعار سے محمد ﷺ کی مدح نہیں کی بلکہ اپنے اشعار کی شان کو حضور کی مدح سے دوبالا کیا ہے۔

فان فضل رسول الله ليس لهٗ حد فيعرب عنه ناطق بفم

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کی کوئی حد تو نہیں کہ کوئی صاحبِ زبان اسے اپنی تقریر کے ذریعہ بیان کر سکے۔

ف: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس مقام علیا و بلند و برتر پر فائز ہیں جو انسانی تصور و فہم سے بالا ہے اور اس کی حد و انتہا نہیں کہ کوئی بیان کرنے والا اپنے کمال علم بیان سے ان کمالات کی حدود کو چھو بھی سکے۔ جبکہ خود خالق کائنات فرماتے ہیں۔ **وكان فضل الله عليك عظيما۔ يختص برحمته من يشاء والله ذوالفضل العظيم۔** اللہ تعالیٰ کا آپ پر فضل عظیم ہے اور اللہ تعالیٰ جسے چاہیں اپنی رحمت کیلئے خاص فرمالیں اور اللہ تعالیٰ صاحب فضل عظیم ہیں۔

لونا سبت قدره آياته عظما۔ احي اسمه حين يدعى دارس الرمم۔

اگر عظمت میں آپ کے معجزات آپ کے مرتبہ کے برابر ہوتے تو بوسیدہ ہڈیوں میں صرف آپ کا نام لینے سے زندگی کی لہر دوڑ جاتی۔

ف: اس میں عیسائیوں کے اس خیال کا رد ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام آپ سے مرتبہ میں بڑھ کر ہیں کیونکہ ان کے معجزات میں مردوں کو زندہ کرنا بھی ہے۔ شعر کا مطلب یہ ہے کہ اگر آپ کے عظیم مرتبہ کے مطابق آپ سے معجزات کا ظہور ہوتا تو صرف آپ کے نام کی برکت سے بھی مردے زندہ ہو سکتے تھے۔ ویسے احیاء اموات کا معجزہ بھی حضور صلعم سے ظاہر ہوا ہے۔ اور پھر آپ کی ذات مبارک تو مجسم معجزہ تھی۔ اگر کوئی کور چشم ہے تو یہ اس کی نظر کا قصور ہے ورنہ جو صحیح النظر ہے وہ تو پہلی نظر میں ہی پکار اٹھتا ہے کہ **ماهذا بوجه كذاب**۔ یہ چہرہ کسی جھوٹے کا نہیں ہوسکتا عبداللہ بن رواحہؓ نے خوب کہا ہے۔ **لولم يكن فيه آيات بينة۔ لكان منظره ينبيك عن الخبر۔** اگر آپ سے معجزات کا ظہور نہ بھی ہو پھر بھی آپ کو دیکھ لینے سے ہی بہت کچھ معلوم ہوسکتا ہے۔ یعنی آپ کا حسن و جمال بذاتِ خود آپ کی صداقت و عظمت کی دلیل ہے۔

لم یمتحنا بما تعي العقول بہٖ۔ حرصا علینا فلم نرتب ولم نهم۔

جس سے ہماری عقلیں عاجز آ جائیں ان کا ہمیں مکلف نہیں بنایا ہے۔ ہم پر شفقت کرتے ہوئے اسی کا نتیجہ ہے کہ نہ ہمیں شک ہوا اور نہ ہی ہم پریشان ہوئے۔

ف: ہمیں ایسے احکام دیئے ہی نہیں جس سے ہمیں شک یا پریشانی کا شکار ہونا پڑے یا جس کے سمجھنے سے ہماری عقلیں عاجز ہوں جیسے کہ بنی اسرائیل کی شریعت تھی کہ اس میں انتہائی مشکلات اور تکالیف شاقہ تھیں بلکہ شریعت محمدیہ سیدھے سادے آسان اور واضح احکام کا مجموعہ ہے اور اس کا باعث رحمت عالم ﷺ کی اپنی امت پر انتہائی شفقت تھی۔ باری تعالیٰ فرماتے ہیں **عزیز علیہ ماعنتم حریص علیکم بالمؤمنین رؤف رحیم۔** تمہاری تکلیف آپ کی طبع پر انتہائی گراں گزرتی ہے۔ آپ تم پر انتہائی شفقت رکھتے ہیں مومنوں سے تو انتہائی محبت کرتے ہیں اور مہربان ہیں۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے **انا اولی بالمؤمنین من انفسهم فمن توفی من ا لمومنین و ترك دینا فعلی قضاء ہ و من ترك مالا فلورثته۔** میں مومنوں کے ان کے اپنے آپ سے بھی زیادہ قریب ہوں جو مومن وفات پا جائے اور مقروض ہو اس کی ادائیگی میرے ذمہ ہوگی اور بعد وفات مال چھوڑ جائے وہ اس کے وارثوں کا ہوگا۔

اعي الوریٰ فهم معناہ فلیس یریٰ۔ للقرب والبعد منه غیر منفحم۔

مخلوقات آپ کے کمالات معنوی سمجھنے سے عاجز ہیں۔ قریب و بعید ہر ایک سوائے سکوت و عجز کے اور کچھ نہیں دیکھتا۔

ف: کمالات معنوی و باطنی کے حدوشمار سے مخلوق سوائے اعتراف عجز کے اور کوئی راہ نہیں پاتی۔ جہاں صاحب عظمت وجلال خالق کائنات جل وعلا سبحانہ وتقدس آپ کے اخلاق و کمالات کو عظیم قرار دیں وہاں مخلوق اس کی عظمت کا فہم وادراک کیسے پائے۔ بلاشبہ آپ اخلاق عالیہ، سچائی، وعدہ وفائی، ادائے امانت۔ ترک خیانت، حفظ اعضاء و جوارح، رحمتِ یتیم، نرمی کلام، مجسم سلامتی، حسن عمل، ترک آرزو، حب آخرت، نفور دنیا، تواضع، بلند ہمتی، کمال علم وعقل، عفو و درگزر، جود وسخاوت، شجاعت و

دلیری، حیاء وحسن معاشرت، انصاف و پاکبازی، وقار ومروت، زہد وقناعت کے مقام عالی پر فائز تھے۔
آپ کے اخلاق عالیہ اوصاف شریفہ کا ذکر وتذکرہ تحریر وتقریر اور فہم وادراک انسانی سے بالا ہے اور اس بارے میں اعتراف عجز کے سوا اور کوئی رستہ نہیں۔

محمد حامدِ حمدِ خدا بس — خدا مدح آفرینِ مصطفیٰ بس۔

کالشمس تظہر للعینین من بُعد۔ صغیرۃ و تکل الطرف من اُمم۔

سورج کی طرح جو دور سے آنکھوں کو نظر آتا ہے چھوٹا سا اور قریب سے آنکھیں چندھیا جاتی ہیں۔

ف: حضور صلعم کی مثال سورج کی طرح ہے دور ہونے کی وجہ سے ہر دیکھنے والے کو اصل حجم کے مطابق نظر نہیں آتا اور قریب سے اس کو دیکھنے سے آنکھیں چندھیا جاتی ہیں۔ بہرحال قریب ہو یا بعید اسے نہ تو دیکھنے کی تاب لائی جاسکتی ہے اور نہ ہی اس کی کیفیت پر حاوی ہوا جاسکتا ہے اسی طرح چاہے صحابہ کتنے ہی مقربین تھے محاسن نبویہ کو دیکھنے کی تاب نہ رکھتے تھے اور رہے دور والے تو ان کے محاسن کی کیفیت کا کیا ادراک کریں گے بہرحال آپ کے محاسن ظاہری و باطنی کی کیفیت وکمیت اصحابِ قرب و بعد سب کے ادراک وفہم سے بالا ہی رہی۔ سیدنا علی بن ابی طالب سے روایت ہے کہ انہوں نے اخلاق نبویہ کے سائل کے جواب میں فرمایا۔ **ان اللہ تعالیٰ مع أنہ وصف نعیم الدنیا بالقلۃ بقولہ تعالیٰ قل متاع الدنیا قلیل و قال، ان تعدوانعمۃ اللہ لاتحصوھا فکیف نبین خلقہ مع أنہ قال فی حقہ و انک لعلی خلق عظیم۔** اللہ تعالیٰ نے نعمت دنیاوی کو قلیل فرمایا ہے اس کے باوجود فرمایا اگر تم انعامات خداوندی کو شمار کرنا چاہو تو گن نہ سکو گے اب جبکہ اخلاق نبویہ کو خود باری تعالیٰ نے عظیم فرمایا ہے تو اس کا احصاء واحاطہ کیسے کیا جاسکتا ہے جبکہ قلیل کا شمار مشکل ہے عظیم کا شمار کیسے کیا جاسکتا ہے۔

و کیف یدرک فی الدنیا حقیقتہ۔ قوم نیام تسلوا عنہ بالحلم۔

اور دنیا میں وہ لوگ آپ کی حقیقت کا ادراک کس طرح کر سکتے ہیں جو سوئے ہوئے ہیں اور خواب (میں زیارت) پر تسلی کیے ہوئے ہیں۔

ف: جبکہ صحابہ جو مرتبہ اور زمانہ کے لحاظ سے آپ سے قریب ترین تھے آپ کی حقیقت کا ادراک

نہ کر سکے اور کمالات نبوی کا احصاء وشمار نہ کر سکے تو اس زمانہ میں جو آپ سے بعید ہی بعید ہو رہا ہے ایسے لوگ جو خواب غفلت میں پڑے سوتے ہیں اور خواب میں ہی زیارت نبوی سے مشرف ہونا غنیمت تصور کئے ہوئے ہیں وہ محاسن وکمالات نبوی کا احصاء وشمار یا حقیقت نبویہ کا ادراک کیسے کر سکتے ہیں۔ خواب میں آپ کی زیارت سے مشرف ہونا حق ہے نہ کہ ادراک حقیقت۔ نبی کریم صلعم کا ارشاد ہے "**من رانی فی المنام فقد رانی فان الشیطن لا یتمثل بی**"۔ جس نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے مجھے ہی دیکھا کیونکہ شیطن خواب میں میری شکل اختیار کر کے نہیں آ سکتا۔

جس نے خواب میں حضور صلعم کی زیارت کی اور یقینی خیال کیا کہ وہ حضور صلعم کی زیارت کر رہا ہے اور پھر جس شبیہ کو دیکھا وہ احادیث میں مروی حلیہ کے مطابق ہے تو سمجھا جائے گا کہ وہ حضور صلعم کا متبع ہے۔ اگر من بعض الوجوہ وہ شبیہ احادیث کے مطابق نہ ہو تو سمجھ لو کہ دیکھنے والا پورا متبع نہیں ہے۔ کیونکہ ہر شخص کو زیارت اس کی عقیدت ومحبت کے مطابق ہوتی ہے کیونکہ دیکھنے کو تو کفار بھی آپ کو دیکھتے تھے لیکن جو محاسن مومنین کو آپ میں نظر آتے تھے وہ انہیں تو نظر نہیں آتے تھے۔ رحمت عالم ﷺ کو جب محسوس ہوا کہ کفار پر عذاب نازل ہوگا تو آپ نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا "**اللھم اھد قومی فانھم لایعلمون**"۔ خدایا میری قوم کو چشم بینا عطا فرما ان کی گستاخیاں صرف اس وجہ سے ہیں کہ وہ مجھے صرف محمد بن عبداللہ جانتے ہیں۔ جب انہیں محمد رسول اللہ کا علم یقین حاصل ہو جائے گا تو ان سے گستاخی کا صدور نہیں ہوگا۔ چونکہ انہیں محمد رسول اللہ کا علم یقین حاصل نہیں لہٰذا یہ مستوجب عذاب ہو رہے ہیں۔ الغرض جتنی حضور صلعم سے محبت ہوگی جس کا ثمرہ متابعت اور حصول علم یقین ہے اتنی ہی خواب میں محاسن نبوی کی زیارت ہوگی۔

فمبلغ العلم فیه أنه بشر۔ وانه خیر خلق الله کلھم۔

ہمارے علم وفہم کی انتہا یہ ہے کہ آپ بشر ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوقات سے بہترین۔

ف: نبی کریم صلعم کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا کہ آپ بشر ہیں جو خدا تعالیٰ کی افضل واکمل اعلیٰ مخلوق ہے اور کہ آپ جمیع مخلوق بشمول بشر اور اس کی سب اقسام سے بہترین ہیں۔ بشر مخلوق الٰہی میں سب سے اعلیٰ ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتے ہیں **ولقد کرمنا بنی آدم** ہم نے اولاد آدم کو عزت بخشی۔ (جمیع

مخلوقات پر) بشر کی تین قسمیں ہیں اعلیٰ، اوسط، ادنی۔ اعلیٰ میں انبیاء اوسط میں مومنین اور ادنی میں عام انسان شامل ہیں اور حضور صلعم ان ہرسہ اقسام میں افضل واکرم ہیں۔ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر آپ کا ارشاد ہے **انا اکرم الاولین والاخرین عندالله ولا فخر** میں فخریہ نہیں کہتا بلکہ بیان حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب پہلوں پچھلوں سے میں زیادہ معزز ہوں۔

وکل اٰیٍ اتی الرسل الکرام بھا۔ فانما اتصلت من نورہٖ بھم۔

اور جتنی بھی نشانیاں معزز رسول لائے۔ وہ آپ کے انوار کے حصول کے باعث تھیں۔

ف: جتنے بھی علوم وحکم یا معجزات انبیاء سے ظاہر ہوئے درحقیقت عالم ارواح میں حضور صلعم کے فیوضات و برکات کے حصول کے باعث تھیں کیونکہ جمیع انبیاء ورسل تبلیغ احکام وعلوم میں دراصل آپ کے نائب تھے یہی وجہ ہے کہ جب نبی کریم ﷺ عالم ظہور میں تشریف لائے تو انبیاء سابقہ کی شرائع منسوخ قرار پائیں اس کے بعد مثال سے واضح فرماتے ہیں۔

فانه شمس فضل ھم کواکبھا۔ یظھرن انوار ھا للناس فی الظلم۔

آپ بلاشبہ فضل وکمال کا سورج ہیں اور وہ سب ستارے۔ جو لوگوں کے لئے اپنی روشنی اندھیروں میں ظاہر کرتے ہیں۔

ف: آپ کی مثال سورج کی ہے اور باقی انبیاء کی ستاروں کی۔ ستاروں میں فی نفسہ کسی قسم کی روشنی نہیں ہوتی بلکہ ان کی روشنی سورج سے مستفاد ہوتی ہے اور پھر رات کے اندھیرے میں وہ لوگوں کی رہنمائی کرتے ہیں اور جب سورج طلوع ہو جاوے تو ستاروں میں نہ تو روشنی رہتی ہے اور نہ رہنمائی کے قابل رہتے ہیں۔ اسی طرح انبیاء کے جمیع علوم وحکم معجزات و ہدایات مشکوۃ نبوت نبی اکرم صلعم سے مستفاد ہیں۔ اور پھر ان کی بقا اور فائدہ آپ کی آمد تک محدود تھا اور جب تشریف لے آئے تو ان کے پاس روشنی رہی اور نہ ہی اس کی ضرورت باقی رہی۔

اکرم بخَلقِ نبی زانهٗ خُلق۔ بالحسن مشتمل بالبشر متسم

بدرجہ کمال ہے نبی ﷺ کا حسن ظاہری جو حسن باطنی سے مزین تھا۔ حسین وجمیل اور پھر خوش اخلاق بھی۔

ف: حدیث میں ہے کان رسول اللہ صلعم **مفخمایتلأ لأ وجهه تلا لا القمر ليلة البدر رايت رسول الله عليه حلة حمراء فجعلت أنظر إليه والى القمر فهو عندى احسن من القمرا ذاتكلم رئ كالنور يخرج من بين ثناياه** صلی اللہ علیہ وسلم حضور صلعم معزز ومحترم تھے۔ آپؐ کا چہرہ اس طرح چمکتا جیسے چودھویں کا چاند۔ میں نے آپ کو ایک دفعہ سرخ حلہ زیب تن فرمائے دیکھا تو کبھی میں چاند کو دیکھتا کبھی آپ کے چہرہ انور کو۔ لیکن مجھے آپ کا سراپا چاند سے زیادہ حسین معلوم ہو رہا تھا جب آپ کلام فرماتے تو آپ کے سامنے کے دانتوں سے روشنی پھوٹتی نظر آتی۔ حضرت انس فرماتے ہیں **خدمت رسول الله** صلی اللہ علیہ وسلم **عشر سنين فما قال لى اف قط وما قال لشى صنعته لِمَ صنعته وَلالشى تركته لم تركته** میں نے آپ کی دس سال خدمت کی۔ آپ نے کبھی مجھے جھڑکا تک نہیں اور نہ کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے پر کسی قسم کی پوچھ گچھ کی۔ **لايسوق اصحابه يعود المريض ويشهدالجنازة ويركب الحمار يجيب دعوة العبد۔** اپنے ساتھیوں کے آگے آگے نہ چلتے۔ مریض کی عیادت فرماتے۔ جنازہ میں شامل ہوتے۔ گدھے پر سواری فرماتے اور غلام کی دعوت بھی قبول فرمالیتے۔ **ويبدء من لقى بالسلام ويفلى ثوبه و يحلب شاته، ويخدم نفسه، ويكنس البيت۔** بوقت ملاقات سلام کہنے میں ابتداء فرماتے۔ کپڑے صاف فرمالیتے۔ بکری دوہ لیتے۔ اپنا کام آپ فرماتے۔ مکان میں جھاڑو دے لیتے۔ ایک حدیث میں ہے **كا ن فى محفته اهليه۔** کام کاج میں اپنے اہل وعیال کا ہاتھ بٹاتے۔ **لَم يكن فاحشا ولا متفحشا ولا صخابا فى الاسواق ولايجزى بالسيئة السيئة ولكن يعفوا ويصفح** نہ تو بدگو تھے اور نہ ہی کسی کو بُرا کہتے تھے نہ بازاروں میں بلند آوازی کرتے اور برائی کا بدلہ برائی سے نہ دیتے بلکہ معاف ودرگزر فرماتے۔ **ماضرب بيده شياء قط الا ان يجاهد فى سبيل الله ولا ضرب خادما ولا امراة** آپ نے کسی کو کبھی اپنے ہاتھ سے نہیں مارا۔ ماسوا دوران جہاد کے اسی طرح کسی خادم یا عورت کو آپ کے ہاتھ سے کبھی تکلیف نہیں پہنچی۔ **كان دايم البشر سهل الخلق لين الجانب ليس بغظ ولاغليظ۔** آپ ہمیشہ تازہ روئی سے رہے۔ نرم اخلاق ونرم پہلو نہ سخت خو نہ سخت رو۔ **كان ماسئل شيأقط فقال لا۔** آپ سے جب کبھی کسی

نے کوئی چیز مانگی آپ نے کبھی نہ کا لفظ نہیں کہا۔ **کان اسخی الناس لا یبیت عندہ دینار ولا درھم** الحدیث آپ ساری دنیا سے زیادہ سخی تھے۔ کوئی درہم و دینار آپ کے ہاں رات نہ گزارتا اگر تقسیم و خیرات سے بچ جاتا اور کوئی محتاج نہ ملتا تو آپ گھر آرام کے لئے تشریف نہ لیجاتے جب تک اسے کسی کے سپرد نہ کر دیتے اور سالانہ ضروریات کے علاوہ آپ مال دنیا سے کچھ نہ رکھتے اور وہ بھی جو یا کھجور کی صورت میں جو زاید ہوتا خیرات فرما دیتے اور کچھ فکر یا پرواہ نہ فرماتے۔ پھر ضرورت مندوں کو اپنے سالانہ اخراجات سے دینا شروع فرما دیتے۔ اسی وجہ سے سال کے اختتام سے قبل ہی فاقہ کشی کی نوبت آ جاتی۔ اپنی جوتی خود گانٹھ لیتے۔ کپڑوں کی مرمت خود فرما لیتے۔ تحفہ قبول فرما لیتے۔ اگرچہ صرف ایک گھونٹ دودھ ہوتا یا خرگوش کی ٹانگ اور ساتھ ہی تحفہ کے بدلہ میں تحفہ پیش فرماتے اور لونڈی اور غریب مسلمان کی دعوت سے انکار نہ فرماتے۔ حضرت انس کی ہی ایک روایت ہے کہ اسے ایک شخص نے بیان کیا کہ غزوہ حنین میں میرا سخت جوتا پہنے ہوئے پاؤں آپ کے پاؤں مبارک پر پڑ گیا۔ آپ نے مجھے ہلکا سا کوڑا لگایا اور فرمایا بسم اللہ۔ تو نے مجھے تکلیف دی (جیسے ہمارے ہاں کہا جاتا ہے ارے تو نے تو مجھے مار ڈالا) میں ساری رات اپنے آپ کو ملامت کرتا رہا کہ افسوس مجھ سے آپ کی ذات مبارکہ کو تکلیف پہنچی خدا ہی جانتا ہے کہ کس بے کلی سے میں نے رات گزاری۔ صبح ہوئی تو ایک شخص میرے بارے میں پوچھ رہا تھا۔ میں نے کہا بس یہ کل والے واقعہ کی وجہ سے بلاوا آیا ہے۔ میں ڈرتا ڈرتا بارگاہ نبوی میں حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا کل تو نے (بے خبری) سے اپنے جوتے سے میرا پاؤں لتاڑ دیا تھا اور میں نے تجھے ایک کوڑا لگا دیا۔ اس کے بدلہ یہ اسی دنبے لیجا۔ سبحان اللہ اخلاق نبوی سے یہ صرف نمونہ از خروارے چند ہے۔

کالزھر فی ترف والبدر فی شرف۔ والبحر فی کرم والدھر فی ھمم

تازگی میں نوشگفتہ کلی۔ شان میں چودھویں کا چاند۔ سخاوت میں سمندر، ہمت میں زمانہ۔

ف: تازہ روئی و بشاشت میں نوشگفتہ یا نیم شگفتہ کلی کی طرح۔ ستاروں میں چاند کو جیسے برتری حاصل ہے۔ ایسے جمیع مخلوقات کے حسن ظاہری باطنی پر آپ کے محاسن کو برتری حاصل ہے۔ جود و سخاوت میں ایسے جیسے سمندر جس سے اپنا بیگانہ کوئی بھی محروم نہیں رہتا بعض احادیث میں آپ کی

سخاوت کی مثال ریح مرسلہ سے دی گئی یعنی جس کا نفع ہر ادنیٰ واعلیٰ خاص و عام امیر و غریب شہنشاہ و گدا اچھے بُرے مومن منکر کو پہنچتا ہے اور ہمت میں مثل زمانہ نہ کہ فرد واحد کی طرح۔

کانہ و ھو فرد فی جلالتہ فی عسکر حین تلقاہ و فی حشم

آپ جلالت میں یکتا تھے اپنے رعب وجلال کے باعث آپ تنہا ہوتے ہوئے بھی پورے لشکر کے ہمراہ نظر آتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے متعدد جاں نثار خدام ہمرکاب ہوں۔

ف: جلالت وعظمت ہیبت و رعب میں آپ یکتائے روزگار تھے۔ حدیث میں آتا ہے کہ نو وارد کی جب آپ پر پہلی نظر پڑتی تو آپ کے رعب و دبدبہ سے کپکپا جاتا۔ حدیث میں ہے، **نصرت بالرعب مسیرۃ شھر** خدا نے میرے مدد فرمائی کہ ایک ماہ کی مسافت تک میرا رعب پھیل جاتا اور دشمن مرعوب ہو جاتا ہے۔ رعب کا یہ عالم تھا کہ بڑوں بڑوں کی زبان آپ کے سامنے گنگ ہو جاتی۔

کانما اللؤلؤ المکنون فی صدف۔ من معدنی منطق منہ و مبتسم۔

بولنے اور مسکرانے میں آپ کے منہ سے موتی جھڑتے جو سیپ میں چھپے ہوئے ہوں۔ گویا مروارید ناسفتہ ہوں۔

ف: یعنی موتی جو ابھی ابھی سیپ سے نکلے ہوں جیسے وہ انتہائی صاف وشفاف اور چمکدار ہوتے ہیں جب آپ گفتگو فرماتے یا مسکراتے تو آپ کے منہ سے ویسی ہی چمک پیدا ہوتی۔ حدیث میں ہے۔ **أنہ اذا تبسم ضاحکا انترعن مثل سنا البرق و عن مثل حب الغمام واذا تکلم رُئیَ کالنور یخرج من ثنایاہ** آپ جب مسکراتے تو آپ کے دندان مبارک سے بجلی سی کوند جاتی یا جیسے اولے چمکتے ہوں اور جب کلام فرماتے تو آپ کے دانتوں سے روشنی پھوٹتی۔

لاطیب یعدل تربا ضم أعظُمہ۔ طوبی لمنتشق منہ و ملتثم۔

کوئی خوشبو اس مٹی کی خوشبو کے برابر نہیں جو آپ کے جسم سے پیوستہ ہو۔ لائق تبریک ہے جس نے اسے سونگھا اور چوما۔

ف: سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا نے جب حضور صلعم کے روضہ کی زیارت کی اور مٹی کو سونگھا تو فی البدیہہ کہا۔

صبت علی مصائب لوانها۔ صبت علی الایام صرن لیالیا۔ ماذا علی من شم تربة احمد۔ ان لایشم مدی الزمان غوالیا۔

مجھ پر اتنے مصائب ٹوٹ پڑے اگر دن پر پڑتے تو وہ رات بن جاتے۔ جس نے احمد مجتبیٰ کی تربت کو سونگھ لیا اسے سارا زمانہ خوشبو کی ضرورت نہ رہی۔ اعظم سے مراد ہڈیاں نہیں بلکہ اعظم اجزاء جسد الشریف ہے کیونکہ جمیع انبیاء کے اجسام محفوظ ہیں۔ آپ کا ارشاد ہے **ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجسام الانبیاء۔** خدا تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کے جسموں کو کھانا حرام قرار دے دیا ہے بلکہ انہیں حیاتِ طیبہ حاصل ہے۔ آپ نے فرمایا **مامن احد یسلم علی الارد اللہ علی روحی حتی ارد علیه السلام** جب کوئی مجھے سلام کہتا ہے خدا تعالیٰ میری روح کو متوجہ فرما دیتے ہیں اور میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔ پہلے حصہ میں آپ کی حیاتِ طیبہ کے کمالات کا ذکر تھا۔ اس شعر میں واضح کر دیا کہ بعداز وفات بھی آپ کے کمالات اسی طرح قائم و دائم ہیں جسے بارگاہ نبوت میں حاضری نصیب ہوگئی وہ خوش نصیب وقابل تبریک ہے۔

ابان مولدہٗ عن طیب عنصرہٖ۔ یا طیب مبتداء منه ومختتم

آپ کے زمانہ ولادت نے آپ کی پاکیزگی اصل کو واضح کر دیا۔ کیا خوب ہے آپ کا ابتداء واختتام۔

ف: زمانہ ولادت نبوی ﷺ میں ایسے احوال و واقعات دنیا میں پیش آئے جن میں واضح ارشادات و دلائل تھے مثلاً حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب کی روایت ہے حضور ﷺ کی دائی بھی تھیں کہ وقت ولادت ایسی روشنی پھوٹی کہ دیے کی روشنی ماند پڑ گئی۔ پیدا ہوتے ہی سر بسجود ہو گئے جب سر اٹھایا تو کلمہ طیبہ زبان سے نکلا۔ سارا گھر آپ کے انوار سے روشن ہو گیا۔ جب نہلانے کا ارادہ کیا تو غیبی آواز آئی نہلانے کی ضرورت نہیں۔ آپ نہائے ہوئے صاف و پاکیزہ پیدا ہوئے ہیں۔ جب میں نے دیکھنا چاہا کہ لڑکا پیدا ہوا ہے یا لڑکی، تو دیکھا کہ آپ مختون ہیں اور ناف بریدہ بھی۔ جب میں نے کپڑے میں لپیٹنا چاہا پشت کے اوپر کی جانب مہر نبوت نظر پڑی۔ جس پر واضح الفاظ میں محمد رسول اللہ لکھا تھا جس پر چھوٹے چھوٹے بال تھے۔ جن کی بناوٹ سے محمد رسول اللہ کے الفاظ بنتے تھے۔ **عموا و صموا**

فاعلان البشائر لم۔ تسمع و بارقة الانذار لم تشم ۔ لوگ اندھے اور بہرے ہو گئے بشارتوں کا اعلان نہ سنا گیا اور خوف دلانے والی تلوار نہ دیکھی گئی ۔**من بعد ما اخبر الاقوام کا هنهم۔ بان دینهم المعوج لم یقم** باوجویکہ لوگوں کو کاہنوں نے بتلایا کہ ان کا یہ ٹیڑھا مذہب قائم نہیں رہے گا۔**وبعد ماعا ینوا فی الافق من شهب، منقضته وفق ما فی الارض من صنم** باوجوداس کے کہ افق (کنارا آسماں) میں انہوں نے شعلے گرتے دیکھے جیسے زمین میں بُت ۔

ف: بشارتوں اور خوف دلانے والی باتیں واقع ہوئیں ۔کاہنوں نے بھی واضح کر دیا کہ اب یہ بے دینی ختم ہو کر رہے گی ۔ آسمان پر ستارے ٹوٹ کر گرتے دیکھے جیسا کہ وقت ولادت نبوی سب بُت منہ کے بل گر پڑے ۔تاہم منکرین ان سب آیات کے باوجود نہ تو ان میں سماع قبول پیدا ہوا اور نہ ہی نظر قبول ۔حقیقت میں اندھا اور بہرا وہی ہے جس کو حق بات سننے اور دیکھنے کی توفیق ارزانی نہ ہو ۔

حتی غدا عن طریق الوحی منهزم۔ من الشیاطین یقفوا اثر منهزم

حتی کہ وحی کے رستہ میں بھاگ دوڑے ۔شیاطین ایک دوسرے کے پیچھے شکست کھا کر

کانهم هربا ابطا ل ابرهته۔ اوعسکر بالحصیٰ من راحتیه رم

گویا بھاگنے میں وہ ابرہہ کا لشکر تھا ۔یا وہ لشکر جسے آپ کی ہتھیلیوں سے کنکر مارے گئے ۔

نبذا به بعد تسبیح ببطنهما۔ نبذالمسبح من احشا، ملتقم

جو ہتھیلی میں تسبیح کہنے کے بعد پھینکے گئے ۔جیسا تسبیح کہنے والے کو نگلنے والی نے اپنے پیٹ سے پھینکا تھا ۔

ف: آپ کی ولادت سے پہلے شیاطین آفاق آسمان میں چھپ کر مقربین ملائکہ کی گفتگو سن کر کاہنوں وغیرہ کو بتلا دیتے اور ایک سچ کے ساتھ کئی جھوٹ ملا کر عوام پر اپنی غیب دانی کا رعب بٹھاتے ۔ آپ کی آمد پر یہ سلسلہ ختم ہو گیا جو بھی جن شیطان ایسی چوری کی کوشش کرتا بالفاظ قرآن **فاتبعه شهاب ثاقب** چمکدار شعلہ اس کے پیچھے لگ جاتا اور وہ شکست کھا کر بھاگ جاتا ۔علامہ بوصیری نے بھاگنے کی مثال یہ بیان فرمائی کہ جیسے ابرہہ کا لشکر سر پر پاؤں رکھ کر بھاگا جس کا واقعہ سورہ فیل میں درج

ہے۔**الم تر کیف فعل ربك باصحب الفیل۔ الآیۃ** آپ کی ولادت سے قبل ابرہہ
کعبۃ اللہ کو ڈھانے کا ارادہ لے کر مکہ پر چڑھ آیا تھا۔ چونکہ اہل مکہ تاب مقاومت نہیں رکھتے تھے بھاگ
کر پہاڑوں میں چھپ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے سمندر کی طرف سے چھوٹے چھوٹے پرندوں کا ایک جھنڈ بھیجا
جن کے پنجوں اور چونچوں میں سوختہ اینٹوں کے کنکر تھے انہوں نے لشکر پر ایسے برسائے کہ سارا لشکر تباہ و
برباد ہو گیا۔ بچے کھچے سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے لیکن ان کو بھی طاعون نے تباہ و برباد کر دیا۔ دوسری مثال
اس لشکر کی بیان کی جو آپ کی ہتھیلی سے پھینکی ہوئی کنکریوں سے بھاگا تھا۔ یہ واقعہ جنگ خندق میں پیش
آیا جب سارا عرب مدینہ منورہ پر حملہ آور ہو گیا۔ آپ کو مجبوراً مدینہ کے گرد خندق کھودنی پڑی۔ جب حملہ
کا سخت زور ہو گیا تو آپ نے دلدل نامی سفید خچر کو، جس پر آپ سوار تھے جھکنے کا اشارہ فرمایا جس نے
زمین پر گھٹنے ٹیک دیئے اور آپ نے کئی کنکروں کو مٹھی میں لے کر شاہت الوجوہ کے الفاظ فرما کر کفار کے
لشکر کی طرف پھینک دیئے مٹھی کا پھینکنا تھا کہ وہ طوفان بن گئی جس سے کفار کو کچھ بجھائی نہیں دے رہا تھا
ان کے گھوڑے بدک کر الٹے پاؤں بھاگنا شروع ہو گئے۔ خیمے اکھڑ گئے۔ بندھے ہوئے گھوڑوں نے
کھونٹیاں اکھیڑ کر وہ طوفان مچایا کہ الامان، کھانے کی دیگیں الٹ گئیں۔ بالآخر کفار کو بھاگنے کے سوا کوئی
رستہ نظر نہ آیا۔ چند منٹوں میں شکست کا یہ عالم تھا کہ دور دور تک کسی حملہ آور کا نام و نشان نہ تھا۔ اسی کے
متعلق قرآن مجید میں ارشاد ہے۔**ومارمیت اذرمیت ولکن الله رمی**۔ جو کنکر پھینکے گئے وہ
تو نے نہیں درحقیقت اللہ نے پھینکے تھے اگرچہ بظاہر دست محمد رسول اللہ ﷺ لیکن بباطن قوت امر الٰہی
شامل تھی۔ اور معجزہ کی تعریف بھی یہی ہے کہ ایسا کام جو ساری دنیا کرنے سے عاجز ہو خدا تعالیٰ اپنے نبی
کے ذریعہ سے ظاہر فرما دیں تاکہ اس کی عزت افزائی کا باعث ہو۔ حضور صلعم کے دست مبارک میں
کنکریاں تسبیح کہتی تھیں۔ بارہا یہ معجزہ آپ سے صادر ہوا۔ ایک مثال یہ بھی ہے کہ تسبیح کہنے والی کنکریاں
اس طرح پھینکی گئیں جس طرح تسبیح کہنے والے کو لقمہ بنانے والی نے اگل دیا تھا۔ یہ سیدنا یونسؑ کے
واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ سیدنا یونس نینویٰ علاقہ موصل کی طرف ایک لاکھ سے زائد آبادی کی اصلاح
کے لئے نبی بنائے گئے جب وہ لوگ راہ راست پر نہ آئے تو آپ نے ایک مدت مقررہ پر عذاب آنے

کا اعلان فرما دیا اور وہاں سے ہجرت کر گئے روز موعود کو سخت اندھیرا چھا گیا اور سیاہ دھواں دار بادل گھر آئے۔ نینوی والوں کو حضرت یونس کی تنبیہ کا یقین ہو گیا۔ انہوں نے میلے لباس پہنے اور بیابان میں روتے دھوتے نکل کھڑے ہوئے عورتوں نے اپنے بچوں کو علیحدہ کر دیا جس سے چیخ پکار میں مزید اضافہ ہو گیا اور انہوں نے اخلاص قلب سے توبہ کر لی اور بارگاہِ الٰہی میں عاجزی اور زاری کی اللہ تعالیٰ نے رحمت خاص سے ان کی توبہ قبول فرمائی۔ روز موعود کے بعد ایک دن سیدنا یونس کا اس علاقہ سے گزر ہوا تو تب دیکھا کہ آبادی تو ویسی ہی ہے اور عذاب کا کہیں نام ونشان نہیں۔ آپ کو چونکہ حقیقتِ حال کا علم نہ تھا سوچا کہ اگر وہاں جاؤں گا تو شرمندگی اٹھانی پڑے گی اور بلا اجازت وہاں سے چل دیئے۔ اثناء سفر کشتی میں سوار ہوئے۔ کشتی عین منجدھار میں رک گئی۔ کشتی والوں نے کہا کوئی ایسا غلام کشتی میں سوار ہو گیا ہے جو اپنے مالک سے بلا اجازت بھاگ آیا ہے۔ جب انہوں نے قرعہ پھینکا تو آپ کا نام نکلا۔ انہوں نے کشتی سے اٹھا کر سمندر میں پھینک دیا۔ جہاں آپ ایک مچھلی کا لقمہ بن گئے۔ وہاں آپ کو تنبہٗ ہوا تو آپ نے مچھلی کے پیٹ میں **لا الٰہ الا أنت سبحانك إني كنت من الظالمين** کا ورد پکارنا شروع کر دیا۔ ایک روز سے چالیس روز تک (باختلاف روایت) آپ مچھلی کے پیٹ میں رہے۔ بالآخر بحکم الٰہی مچھلی نے کنارہ پر آپ کو اگل دیا۔ اور خدا تعالیٰ نے فوری طور پر یقطین کے پودے کا سایہ عطا فرمایا اور جنگلی بکری کو دودھ پلانے کی خدمت پر مامور فرما دیا۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ بعد از وصال جب حضور ﷺ کے غسل کا ارادہ کیا گیا تو سب سوچ میں پڑ گئے کہ آپ کے کپڑے اتارے جائیں یا نہ۔ مختلف آراء تھیں کہ سب صحابہ پر نیند کا غلبہ ہو گیا اور اونگھ گئے۔ مکان کے ایک طرف سے آواز آئی لیکن معلوم نہ ہوا کہ وہ کون تھا ''کہ آپ کو کپڑوں سمیت غسل دے دو'' لہٰذا کپڑوں سمیت غسل دے دیا گیا اور کپڑوں سے ہی آپ کے جسم کو ملا گیا۔

سیدنا علی بن ابی طالب نے فرمایا کہ غسل دیتے ہوئے میں نے دیکھا کہ پاکیزگی اور نظافت کا یہ عالم تھا کہ دوسرے مردوں کی طرح کسی قسم کی گندگی یا میل کچیل آپ کے جسم اطہر سے نہ اتری اور میں پکار اٹھا میرے ماں باپ، آپؐ پر قربان آپ حی و میت ہر حال میں کتنے پاکیزہ ہیں۔ سیدنا

علیؓ سے کسی نے ان کے کمال حفظ وفہم کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے بتلایا کہ جب میں نے آپ ﷺ کو غسل دیا تو آنکھوں میں پانی کے چند قطرات رہ گئے میں نے انہیں ضائع یا بہانے کی بجائے اپنے منہ سے چوس لیا درحقیقت میرے حفظ وفہم کے کمال کا باعث یہی ہے۔

یوم تفرس فیه الفرس انهم۔ قد انذروا بحلول البوس والنقم

اس دن ایرانیوں کو معلوم ہو گیا کہ انہیں عذاب ومصیبت کے اترنے سے خوفزدہ کر دیا گیا۔

ف: ایسے واقعات پیش آئے جن سے ایرانی خوفزدہ ہو گئے کہ اب ہم پر مصیبت آ کر رہے گی اور سینکڑوں سال پرانی حکومت تہ وبالا ہو جائے گی۔

وبات ایوان کسریٰ وهو منصدع ۔ کشمل اصحاب کسریٰ غیر ملتئم

اس روز کسریٰ کے محل میں دراڑیں پڑ گئیں۔ جیسے کسریٰ کے ساتھیوں میں اختلاف ہوا جو جڑ نہ سکا۔

ف: یوم ولادت نبوی کو کسریٰ کے محل میں شکستگی کے آثار پیدا ہو گئے اور چودہ مینار گر گئے بالاخر اس قوم کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے اس میں تنبیہ تھی کہ آنے والا آ گیا جس کے پیروکاروں کے ہاتھوں یہ سلطنت تہ وبالا ہو جائے گی۔

حضور صلعم نے زمانہ قیام مدینہ منورہ میں جہاں دوسرے بادشاہوں کو مکتوبات تحریر فرمائے وہاں عبداللہ بن حذافہ سہمی کے دستی خسرو پرویز شاہ ایران کو بھی ایک نامہ تحریر فرمایا جو انہوں نے حاکم بحرین کی وساطت سے اسے پہنچا دیا۔ اس نے ابتدائی الفاظ من محمد رسول اللہ الیٰ کسری عظیم فارس پڑھتے ہی نامہ کو پھاڑ دیا اور انتہائی گستاخی کے الفاظ بکے اور حاکم بحرین کو آپ کی گرفتاری کے احکام بھیج دیئے۔ آپ کو جب صورت حال معلوم ہوئی تو فرمایا **بَدَّدَ مُلْكَهٗ** یعنی اس نے میرا مکتوب نہیں پھاڑا بلکہ اپنے ملک کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ آپ کے پاس مدینہ طیبہ میں حاکم بحرین کے بھیجے ہوئے دو پولیس افسران آئے جن کی داڑھیاں مونڈی ہوئی اور بڑی بڑی مونچھیں تھیں آپ نے نفرت سے منہ پھیر لیا اور فرمایا افسوس تمہیں ایسی شکل بنانے کا کس نے کہا ہے۔ انہوں نے بتایا کہ یہ ہمارے رب کسریٰ کا حکم ہے۔ آپ نے حکم دیا کہ انہیں بطور مہمان ٹھہراؤ اور صبح کو پیش کرو۔ وہ صبح جب پیش ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ جس کا حکم تم لے کر آئے ہو وہ ذلیل وخوار ہو کر اس دنیا سے جا چکا ہے جاؤ پہلے اس کی خبر لو۔ واقعہ

یہ ہوا کہ خسرو پرویز اور اس کے بیٹے شیرویہ میں ایک عورت شیریں کے متعلق رقابت چل رہی تھی اور شیریں پرویز کو چاہتی تھی شیرویہ نے اپنا رستہ صاف کرنے کے لئے پرویز کو قتل کر دیا لیکن جب پرویز کو دفن کرنے کیلئے غار میں لے جایا گیا تو شیریں نے آخری بار پرویز کو دیکھنے کی خواہش ظاہر کی اور پرویز کی نعش پر تلوار کا دستہ رکھ کر اس کا پھل اپنے سینے سے لگا کر اپنا پورا بوجھ اس پر ڈال دیا اور خودکشی کر لی۔ یوں گستاخ رسول اپنے انجام کو پہنچا۔

والنار خامدة الانفاس من اسف عليه والنهر ساهي العين من سدم

اور آگ کے شعلے غم سے بجھ گئے۔ اور دریا کے چشمے پریشانی سے بے خبر ہو گئے۔

ف: آتش پرستوں کی ہزار سالہ بھڑکتی آگ ایک دم بجھ گئی جو اتنے زمانہ سے کبھی بجھنے نہ دی گئی تھی اور دجلہ دریا نے اپنا رستہ بدل کر محلات کسریٰ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ دریائے دجلہ کے کنارے کسریٰ نے زر کثیر صرف کر کے عظیم محل بنایا جسے دریا نے تباہ کر دیا۔ اس کے درباریوں میں تین سو ساٹھ کاہن نجومی اور جادوگر تھے جنہیں بلا کر اس نے تباہی کی وجہ دریافت کی۔ سوچ بچار کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ اس حکومت اور اس کے مذہب کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے والا نبی آیا چاہتا ہے لیکن انہوں نے اس کا اظہار کسریٰ سے نہ کیا بلکہ بتلایا کہ عمارت کی نیو رکھتے ہوئے ساعت سعید اختیار کرنے میں غلطی ہوگئی ہے اور اب ہم مبارک ساعت کا حساب لگا کر بتلائیں گے بالآخر ساعت مبارک تجویز کر کے دوبارہ عمارت تعمیر کی گئی۔ تکمیل پر **خدم و خشم** جمع ہو کر مبارکباد دینے لگے کہ دریا میں طوفان آ گیا جس سے عمارت پھر تباہ ہوگئی اور کسریٰ ڈوبتے ڈوبتے بچا۔ غصہ میں آ کر اس نے کئی نجومیوں کو قتل کر دیا پھر نیک ساعت تجویز کر کے عمارت تعمیر کی گئی جب کسریٰ ڈرتا ڈرتا اس عمارت میں داخل ہوا پھر طوفان آ گیا اور کسریٰ بمشکل بچا۔ عمارت پھر تباہ ہوگئی۔ بالآخر اس نے سب نجومیوں کاہنوں کو ڈرایا دھمکایا اور کہا کہ کوئی دوسری وجہ معلوم ہوتی ہے جو مجھ سے چھپا رہے ہیں۔ اصلیت واقعہ بتلا دو ورنہ قتل کر دیئے جاؤ گے۔ مجبوراً سب نے بیک زبان کہا کہ ایسا نبی مبعوث ہو چکا جس کے ذریعہ سے تیرے ملک کا زوال ہوگا۔ چنانچہ اس نے پھر سے عمارت بنانے کا ارادہ ترک کر دیا۔

وساء ساوة ان غاضت بحيرتها - ورد واردها بالغيظ حين ظم

اور ساوہ کو دکھ ہوا اس کا بحیرہ خشک ہو گیا۔ اور پیاس سے جب کوئی پانی لینے گیا تو غصہ سے واپس چلا گیا۔

ف: بحیرہ ساوہ خشک ہو گیا اور کوئی پیاسا اپنی پیاس اس سے نہ بجھا سکا اور غصہ سے واپس ہو گیا۔

كان بالنار ما بالماء من بلل۔ حزنا وبالماء ما بالنار من ضرم

گویا غم کی وجہ سے آگ میں وہ تری پیدا ہو گئی جو پانی میں ہوتی ہے۔اور پانی میں آگ کی گرمی۔

ف: یوم ولادت کو مملکت ایران میں یہ سب واقعات رونما ہوئے جن میں اس مملکت کے تہ و بالا کرنے والے کی آمد آمد کی اطلاع اور تنبیہ تھا۔علاوہ مجوسیوں کے سب سے عظیم مذہبی رہنما موبد موبدان کو خواب آیا کہ بے مہار بدکے ہوئے عربی اونٹ عربی گھوڑوں کے ہمراہ چلے آرہے ہیں اور دجلہ پار کر کے سب علاقہ میں پھیل گئے ہیں اور کسریٰ سخت پریشان و مضطرب ہے۔صبح کو جب یہ خواب وزراء حکماء کی مجلس میں بیان کر رہا تھا اطلاع پہنچی کہ ہزار سالہ آگ بھسم ہو گئی ہے۔جب یہ اطلاع کسریٰ کو پہنچی تو بہت حیران و پریشان ہوا اور اس مذہبی رہنما سے اس بارے میں پوچھا تو اس نے بتلایا کہ عرب کی جانب سے کچھ وقوع پذیر ہونے والا ہے۔کسریٰ نے نعمان بن المنذر کو کہلا بھیجا کہ کسی دانا و ماہر سے اس واقعہ کی حقیقت معلوم کرے تو اس نے عبدالمسیح بن عمر غسانی سے پوچھ بھیجا اس نے کہا مجھے تو کچھ معلوم نہیں۔ میں اپنے ماموں سطیح کاہن سے معلوم کرتا ہوں اور جب وہ اس کے پاس پہنچا تو وہ قریب الموت تھا اور سلام کا جواب بھی نہ دے سکا۔آخر اس نے ایک شعر پڑھا جس پر سطیح نے سر اٹھایا اور کہا:

عبدالمسيح على جمل طليح

إلى سطيح وقد اوفى على القريح

يا عبد المسيح بعثك ملك بني ساسان، لارتهاس الايوان، و خمود النيران، ورؤيا الموبدان

يا عبدالمسيح اذا غاضت بحيرة ساوة، وفاض وادى السماوة، فقد ولد صاحب تلاوة۔

وظهر خير الاديان، وزال مُلك بني ساسان، و سيملك منهم ملوك و ملكات على عدد الشرفات وكل ماهو آت آت۔

ترجمہ: عبدالمسیح دبلے اونٹ پر سفر کرتے ہوئے سطیح تک پہنچا اور سطیح قبر میں پاؤں لٹکائے ہوئے ہے۔ اے عبدالمسیح تجھے شاہ ساسان نے بھیجا ہے کہ محل کے زیروزبر ہونے، آگ کے بجھ جانے اور موبدان کے خواب کا مطلب معلوم کرو۔ تو سنو اے عبدالمسیح جب بحیرہ ساوہ خشک ہو جائے وادیٔ ساوہ بہنے لگے تو جان لو کہ صاحبِ تلاوت پیدا ہو چکا اور بہترین دین کا ظہور ہو چکا اور بنی ساسان کی بادشاہت پر زوال آ گیا اور اب ان میں سے اتنے ہی بادشاہ یا حکمران عورتیں ہونگی جتنے ان کے محل کے گرنے والے کنگرے ہیں اور جو ہونے والا ہے وہ ہو کر رہے گا۔

یہ کہہ کر اس نے اپنی جان جاں آفریں کے سپرد کر دی۔ جب عبدالمسیح نے یہ سارا قصہ کسریٰ کو سنایا تو اس کو تسلی ہوگئی کہ آخر چودہ بادشاہ تو ہونگے ہی اور اس کے لئے تو مدت دراز چاہئے لیکن ہوا یوں کہ چار ہی سال میں دس بادشاہ ہو گزرے اور باقی چار امیر المومنین حضرت عثمان کے زمانہ حکومت تک قائم ہو گئے اور آپ کے زمانہ خلافت میں ایران کی عظیم سلطنت ایک افسانہ پارینہ بن کر رہ گئی۔

والجن تهتف والانوار ساطعة والحق يظهر من معنى ومن كلم

جنات کی غیبی آوازیں سنائی دے رہی تھیں اور روشنیاں طلوع ہو رہی تھیں۔ حق عجیب واقعات کے ظہور اور کلمات جنات سے لفظاً و معنیً ظاہر ہو رہا تھا۔

ف: جنات کی غیبی آوازوں کے متعلق بہت سی روایات احادیث میں مروی ہیں۔ مثلاً ایک صحابی کا بیان ہے کہ میرا اونٹ گم ہوگیا۔ میں اسے تلاش کرتے ہوئے جنگل میں نکل گیا ایک وادی میں پہنچ کر میں نے حسب عادت جاہلیہ کہا **عذت بعزيز هذا الوادی** میں اس وادی کے معزز کی پناہ طلب کرتا ہوں اور میں نے اپنی سواری کو بٹھا دیا کہ غیب سے آواز آئی۔ **ويحك عذ بالله ذى الجلال۔ منزل الحرام و الحلال۔ وحد الله ولا تبال۔ ماكيد ذى الجن من الاهوال۔ اذ يذكر الله على الاحوال و فى سهول الارض و الجبال موصاد كيد الجن فى سفال الا النبى و صالح الاعمال۔** افسوس تجھے خدائے ذوالجلال کی پناہ میں آ جس نے حرام و حلال نازل کیا۔ خدا کو ایک جان اور پرواہ نہ کر۔ جب تو میدانوں اور پہاڑوں میں مصائب کے وقت

خدا کا ذکر کرے گا تو جنات کیا نقصان دے سکتے ہیں۔ جنات کے فریب ختم ہو گئے۔ نبی اور نیکیوں کو کامیابی ہوئی۔ میں نے پکارا **یا ایها القائل ماتقول۔ ارشد عندك ام تضليل** کہنے والے تو کیا کہنا چاہتا ہے تو راہ چلاتا ہے یا گمراہ کرتا ہے تو آواز آئی **هذا رسول الله ذی الخیرات ۔ جاء بیس و حامیمات وسور بعد مفصلات یا مر بالصلاۃ والزکوۃ۔ یزجر الاقوام عن هنات قد کف فی الاسلام منکرات۔** یہ صاحب خیرات رسول اللہ یٰس وحم سورتیں لائے ہیں اور مفصلات کے بعد سورتیں نماز اور زکوۃ کا حکم دیتے ہیں اور لوگوں کو بت پرستی سے منع کرتے ہیں جو اسلام میں ممنوعات ہیں۔ میں نے کہا اگر کوئی میرا یہ اونٹ میرے گھر پہنچا دے تو میں ابھی وہاں جا کر فرمانبرداری کا اعلان کرتا ہوں۔ آواز آئی کہ میں اسے پہنچا دوں گا۔ میں اسے وہیں چھوڑ کر مدینہ طیبہ حاضر ہوا۔ حضور صلعم جمعہ کا خطبہ ارشاد فرما رہے تھے میں نے مسجد کے باہر اونٹنی بٹھا دی۔ میرے پاس ابوذر آئے اور کہا کہ رسول اللہ تمہیں بلاتے ہیں۔ میں جب حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا کیا خیال ہے جس کو تو اونٹ کا ضامن بنا آیا ہے اس نے بالکل صحیح وسالم تیرا اونٹ تیرے گھر پہنچا دیا ہے۔

جاء ت لدعوته الاشجار ساجدة تمشی الیه علی ساق بلاقدم ۔ آپ کے بلاوے پر درخت بغیر قدموں کے تنے پر جھکتے ہوئے حاضر ہو گئے۔

ف: روایت ہے ایک دفعہ آپ جنگل کو تشریف لے گئے اور حضرت علی کو فرمایا کہ ان دونوں درختوں کو بلا لاؤ۔ حضرت علی نے انہیں کہا کہ تمہیں رسول صلعم بلاتے ہیں تو دونوں ٹہنیاں جھکائے زمین پھاڑتے ہوئے حضور ﷺ کے پاس پہنچ گئے اور آپ کو اپنی ٹہنیوں میں چھپا لیا۔ فراغت کے بعد آپ نے حکم دیا کہ اپنی جگہ پر واپس چلے جاؤ تو وہ دونوں درخت واپس اسی جگہ پر چلے گئے۔

کانما سطرت سطرا لماکتبت۔ فروعها من بدیع الخط فی اللقم

گویا کہ راہ کے درمیان اپنی شاخوں سے ایک عمدہ تحریر لکھ دی۔

ف: مطلب یہ ہے کہ ان درختوں نے تعمیل حکم میں آتے جاتے اپنی شاخوں سے زمین پر جو نشانات چھوڑے وہ نبی اکرم صلعم کے کمالات میں مضمون تحریر کر گئے۔

مثل الغمامة انی سارسارة ۔ تقیه حروطیس للهجیر حمی

بادل کی طرح جہاں آپ جاتے وہ بھی جاتا۔ جو آپ کو دوپہر کی شدید گرمی سے بچاتا۔

ف: سفر یروشلم برائے تجارت اموال خدیجہ نیز سفر بصری مع ابوطالب و دیگر مواقع میں یہ مشاہدہ میں آیا کہ آپ کی سواری پر ایک بادل کا ٹکڑا ہر وقت سایہ کئے رہتا اور جیسے جیسے آپ کی سواری رواں رہتی وہ بھی آپ کے ہمراہ چلتا رہتا۔

اقسمت بالقمر المنشق ان له ۔ من قلبه نسبةً مبرورة القسم

میں قسم کھاتا ہوں سچی قسم چاند کے دو ٹکڑے ہونے کی اسے آپ کے دل سے نسبت ہے۔

ف: کفار مکہ سے معجزات ارضیہ کے جواب میں جب کچھ نہ بن سکا تو انہوں نے معجزات سماویہ کا تقاضا کر دیا تو آپ نے چاندنی رات میں چاند کی طرف انگلی کا اشارہ فرمایا دیکھنے والوں نے دیکھا کہ چاند دو ٹکڑے ہو کر ایک حصہ جبل بوقبیس اور دوسرا حصہ جبل قیقعان کی اوٹ میں گر پڑا اور اسی اشارہ سے ٹکڑے باہم پیوستہ ہو گئے۔ اس کا ذکر قرآن مجید میں بھی ہے۔ ''**اقتربت الساعة وانشق القمر و ان یروا کل آیة یعرضو اویقولوا سحر مستمر**'' قیامت قریب آ گئی چاند دو ٹکڑے ہو گیا جونہی یہ معجزہ دیکھیں گے منہ پھیر لیں گے اور کہیں گے یہ تو پرانا جادو ہے۔ قلب سے نسبت کا مطلب یہ ہے جیسا کہ نبی اکرم صلعم کا قلب شق ہوا ویسا ہی چاند شق ہوا۔ شق صدر و قلب کا واقعہ کم از کم تین دفعہ ہوا۔ ایک تو آپ کے بچپن میں جب آپ حلیمہ سعدیہ کے ہاں مقیم تھے ایک روز اپنے رضاعی بہن بھائیوں کے ساتھ گاؤں کے باہر بکریاں چرا رہے تھے کہ فرشتے بڑے بڑے سفید بگلوں کی شکل میں آئے اور آپ کا سینہ شق کر دیا اس میں سے دل نکال کر چیر کر صاف کر کے دھو کر واپس سینہ میں رکھ دیا اور سینہ کو سی دیا۔ دوسرے بچے یہ منظر دیکھ کر خوف سے بھاگ اپنی والدہ کے پاس آئے حلیمہ سعدیہ پریشان حال جب وہاں پہنچی تو آپ کا رنگ اڑا ہوا تھا۔ دوسرا واقعہ قبل از وحی پیش آیا اور تیسرا شب معراج۔ بعض کے نزدیک عنفوان شباب میں بھی ایسا واقعہ پیش آیا۔ آپ کے سینہ سے ناف تک سلائی کے نشان موجود تھے۔ بار بار شق صدر کی علماء نے یوں توجیہہ کی ہے کہ پہلا اس لئے کہ بچپن میں عموماً بچوں میں کھیل و تضیع اوقات کی جو عادت ہوتی ہے اس کا ازالہ ہو اور دوسرا اس لئے کہ نوجوانی کی دیوانگی آپ کے قریب نہ پھٹکے اور تیسرا اس لئے کہ بار نبوت سنبھال سکیں اور چوتھا اس لئے کہ عالم علوی کے مناظر دیکھنے کی قوت حاصل ہو۔

وما حوی الغارمن خیر و من کرمٍ۔ وکل طرف من الکفار عنه عم

اور (یاد کر) جو جمع تھا غار میں خیر وکرم۔ کافروں کی ہر آنکھ آپ کی طرف سے اندھی ہوگئی

فالصدق فی الغار والصدیق لم یَرِیَا وھم یقولون ما بالغار من ادم

سچائی (آپ) اور تصدیق کرنے والا (ابوبکر صدیق) دونوں غار میں بیٹھے رہے اور ذرا بھی دکھائی نہ دیئے اور وہ (کفار) کہتے تھے غار میں کوئی بھی نہیں۔

ظنوا الحمام و ظنوا العنکبوت علی۔ خیر البریة لم تنسج ولم تحم۔

کبوتروں اور مکڑی کے متعلق انہوں نے خیال کیا کہ دنیا کے بہترین پر نہ اس نے جالا بنا اور نہ اس نے انڈے دیئے۔

وقایة الله اغنت عن مضاعفة۔ من الدروع و عن عال من الاطم۔

حفاظت الٰہی نے بے پرواہ کر دیا دوہری زرہوں اور بلند قلعوں (کی ضرورت) سے

ف: رسول اکرم صلعم کو جب ۱۴ نبوت میں ہجرت کی اجازت ہوئی تو آپ نے خیال فرمایا کہ رات کو مکہ سے ہجرت کر جائیں گے۔ دوسری طرف کفار مکہ نے مشورہ کیا کہ ہر قبیلہ سے ایک دلیر جوان منتخب کیا جاوے جو بیک وقت سب آپ پر حملہ آور ہوں اور آپ کو قتل کر دیں اس سے زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ بنی ہاشم سب کی مخالفت مول نہ لیتے ہوئے خون بہا پر راضی ہو جائیں گے۔ اس مشورہ کے بعد سب نے اکٹھے ہو کر آپکے مکان کا محاصرہ کر لیا کہ جب آپ باہر نکلیں حملہ کر دیا جاوے۔ آپ نے حضرت علی کو اپنے بستر پر سونے کا حکم دیا اور اہلِ مکہ کی امانتیں ان کے سپرد کیں کہ ان کی ادائیگی کے بعد وہ بھی ہجرت کر آئیں۔ اسی رات سورۂ یٰسین کی آیات آپ پر نازل ہوئیں آپ **وجعلنا من بین اید یھم سدا ومن خلفھم سدا فا غشینا ھم فھم لایبصرون** تلاوت کرتے ہوئے باہر نکلے کفار کے فرستادہ سب اونگھ رہے تھے۔ آپ نے سب کے سر پر مٹی ڈالی اور ابوبکر صدیق کے گھر روانہ ہوئے وہاں سے غار ثور کو چل دیئے وہاں پہنچ کر ابوبکر صدیق نے آپ کو باہر ٹھہرا کر پہلے غار کو صاف کیا اور بلوں کو اپنی چادر پھاڑ کر بند کر دیا۔ صرف ایک بل کے لئے کوئی چیتھڑا نہ تھا وہاں اپنا پاؤں رکھ دیا۔ آپ غار میں داخل ہو کر ابوبکر صدیق کی ران پر سر رکھ کر آرام فرمانے لگے کہ صدیق کو سانپ نے پاؤں

پر کاٹ کھایا لیکن انہوں نے حرکت تک نہ کی لیکن درد کی شدت سے آنکھوں سے آنسو ٹپکے جو آپ کے چہرہ مبارک پر ٹپک پڑے جس سے آنکھ کھل گئی استفسار پر صدیق نے سارا واقعہ کہہ سنایا آپ نے اپنا لب مبارک سانپ کاٹے پر لگا دیا جس سے فوراً صحت ہوگئی۔ اس اثناء میں کبوتروں کے ایک جوڑے نے غار کے منہ کے پاس گھونسلہ بنا کر انڈے دے دیئے اور مکڑی نے غار کے منہ پر جالا بن دیا۔ آپ کے گھر سے نکل آنے کے بعد جب کفار کو آپ کے چلے جانے کا علم ہوا تو انہوں نے تلاش کے لئے بھاگ دوڑ شروع کردی اور تلاش کرتے ہوئے غار کے منہ تک پہنچ گئے بعض نے مشورہ بھی دیا کہ اس غار کو دیکھ لیا جاوے دوسروں نے تردید کردی اور کہا اگر کوئی اس غار میں داخل ہوا ہوتا تو جالا قائم نہ رہتا اور یہ جنگلی کبوتر اتنے سکون سے اپنے گھونسلے میں انڈے نہ سیتے بالآخر وہ وہاں سے خائب و خاسر لوٹ گئے جب یہ باتیں کر رہے تھے تو حضرت ابوبکر کو غار میں بیٹھے ان کی ٹانگیں نظر آ رہی تھیں انہوں نے آپ کے پکڑے جانے کے خوف سے رونا شروع کردیا آپ نے رونے کی وجہ دریافت کی تو صدیق نے کہا کہ اگر انہوں نے اپنے پاؤں کی طرف غور سے دیکھا تو ہم دونوں کو پالیں گے۔ آپ نے فرمایا **ماظنك باثنين الله ثالثهما** (دو کے متعلق کیا خیال کرتے ہو جبکہ ان کا تیسرا اللہ بھی ہے)۔ اسی کے متعلق قرآن مجید میں ہے۔ **اذيقول لصاحبه لاتحزن ان الله معنا**۔ جب آپ اپنے ساتھی کو فرما رہے تھے غم نہ کر اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

یہ قدرت الٰہی ہے بچاؤ کے ظاہری سامان زرہوں اور قلعوں کے بغیر حفاظت کا سامان مہیا فرما دیا اور بھولے بھالے کبوتروں اور دنیا کی کمزور ترین گھروندہ مکڑی کے جالے سے قلعوں کا کام لیکر اپنے نبی و صدیق کی حفاظت فرمائی۔ یاد رہے کہ اس غار میں آپ صدیق کے ہمراہ تین شب و روز چھپنے کے بعد مدینہ طیبہ کو روانہ ہو گئے۔

ماسامني الدهر ضيماً واستجرت به۔ الاونلت جوارامنه لم يُضم

مجھ پر زمانہ کبھی ظلم نہ کر سکا۔ جب بھی میں نے آپ کی پناہ حاصل کی مجھے ایسا امن نصیب ہوا جس پر زیادتی نہ کی جا سکی۔

ف: دعا میں توسل کا عقیدہ برحق ہے۔ دعا کے اول و آخر درود شریف دعا کی مقبولیت کا باعث ہے۔ اسی طرح نبی اکرم رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات سے توسل بلکہ تبرکات نبویہ سے

توسل بزرگوں کا معمول چلا آتا ہے۔ خود نبی کریم صلعم نے ایک نابینا کو جو درستی نظر کے لئے حاضر ہوا تھا فرمایا کہ دو رکعت نماز پڑھ کر میرے توسل سے دعا کرو جس پر عمل کرنے کے بعد وہ بینا ہو گیا۔ حدیث میں جو دعا بیان کی گئی ہے اس میں **بمحمدنِ النبی الامی** اور **اتوسل الیك** کے الفاظ ہیں۔

ولا التمست غنی الدارین من یدہ۔ الااستلمت الندیٰ من خیر مستلم

اور جب کبھی میں نے دنیا و آخرت کی دولت آپ کے ذریعہ سے طلب کی تو میں نے وہ عطیہ چوم کر لیا (اس ہاتھ سے) جو سب سے بہتر بوسہ دیا گیا ہے۔

ف: میں نے جب کبھی دنیا و آخرت کی دولت آپ کے ذریعہ سے حاصل کرنی چاہی کبھی محروم نہیں ہوا۔ اور مجھے وہ عطا کر دی گئی جیسے عطا کو حاصل کرتے ہوئے بوسہ دیکر وصول کیا جاتا ہے اسی طرح وہ آپ کے وسیلہ سے مجھے حاصل ہوئی اور میں نے انتہائی ادب و احترام سے اسے وصول کیا۔

لاتنکر الوحی من رؤیاہ ان لہ۔ قلبا اذانامت العینان لم ینم

آپ کو خواب میں وحی ہونے کا انکار نہ کر۔ کیونکہ آپ کا دل ایسا ہے آنکھیں سو جاتی ہیں تو وہ نہیں سوتا۔

ف: وحی کی صورت ایک یہ بھی ہے کہ خواب میں کسی بات کا حکم ہو۔ کیونکہ آپ کی خواب و بیداری یکساں ہیں۔ حدیث میں ہے **تنام عینای ولا ینام قلبی** میری آنکھیں سوتی ہیں اور دل نہیں سوتا۔

وذاك حین بلوغ من نبوتہٖ۔ فلیس ینکر فیہ حال محتلم

اور یہ ابتداء نبوت کی بات ہے۔ ابتداء میں خواب دیکھنے کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔

ف: آپ کا ارشاد ہے **الرویا الصالحۃ من الرجل الصالح جزء من ستۃ واربعین جزأ من النبوۃ۔** نیک آدمی جو اچھا خواب دیکھتا ہے وہ نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ $\frac{1}{46}$ نبی بن جاتا ہے کیونکہ نبوت و رسالت کا دروازہ بند ہو چکا یہ تو اظہار واقعہ ہے کہ آپ کی مدت وحی تیئس سال بنتی ہے جس میں ٦ ماہ صرف خواب کی صورت تھی۔ جس کے متعلق حدیث میں آتا ہے کہ ابتداء میں آپ جو بھی خواب دیکھتے وہ فلق الصبح کی طرح سچا نکلتا۔ یعنی آپ کی وحی یا زمانہ نبوت کا

چھیالیسواں حصہ سچے خواب کی صورت میں تھا۔

تبارك الله ماوحی بمکتسب ولا نبی علی غیب بمتهم۔

ذات الٰہی بابرکت ہے وحی کسبی بات نہیں اور نہ ہی نبی پر غیب کا بہتان لگایا گیا ہے۔

1- نبوت کسبی نہیں وہبی ہے اعمال صالحہ کی کثرت باعث ولایت۔ غوثیت۔ قطبیت ومحبوبیت تو ہو سکتی ہے لیکن باعث نبوت نہیں کیونکہ **الله اعلم حیث یجعل رسالته**۔ اللہ ہی جانتا ہے کہ اس نے نبوت کے لئے کسے انتخاب کرنا ہے۔ **والله یمن علی من یشاء من عباده** اللہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے احسان (نبوت) سے سرفراز فرماتے ہیں۔

2- امور غیبیہ کے متعلق نبیؐ نے جو بھی اطلاعات فراہم کی ان پر کبھی آپ پر غلط بیانی کا اتہام نہیں کیا جا سکا۔ بلکہ جو بھی آپ نے آمدہ واقعات کے متعلق ارشاد فرمایا حرف بحرف درست پایا گیا۔

3- دوسرے معنی یہ ہیں کہ نبی صلعم پر یہ کبھی الزام عائد نہیں کیا گیا کہ آپ غیب جانتے تھے۔ **والله علام الغیوب**۔ غیوب کو جاننے والا صرف اللہ ہے۔

کم ابرآت وصبا باللمس راحته۔ واطلقت اربا من ربقة اللمم

کتنے ہی مریضوں کو آپ کی ہتھیلی کے لمس نے ہی شفایاب کر دیا۔ اور مجنونوں کو جنون کے بندھن سے آزاد کر دیا۔

ف: ابورافع سردار یہود کے قتل کیلئے آپ نے عبداللہ بن عتیک کو بھیجا۔ قتل کے بعد واپسی پر وہ سیڑھیوں سے پھسل گئے اور پنڈلی کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے پنڈلی پر دست مبارک پھیر دیا۔ وہ فرماتے ہیں **فکا نما لم اشتکهاقط** یوں معلوم ہوا کہ مجھے کبھی یہ تکلیف ہوئی ہی نہ تھی۔ ایسے کئی ایک واقعات احادیث میں مروی ہیں۔ ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ ایک عورت اپنے بچے کو لے کر بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئی اور عرض کیا میرے اس بچے کو صبح شام کے کھانے کے وقت جنون کے دورے پڑتے ہیں۔ آپ نے بچے کے سینہ پر دست مبارک پھیرا اور دعا فرمائی اس نے اسی وقت الٹی کی اور اس کے پیٹ سے سیاہ کتے کے بچے جیسا جانور نکل کر بھاگ گیا اور وہ صحت مند ہو گیا۔

واحیت السنة الشهباء دعوته ۔ حتی حکت غرة في الاعصر الدهم

اور آپ کی دعا نے سفید قحط سالی میں زندگی ڈال دی۔حتی کہ اس زمانہ کی سیاہی میں سفیدی بیان کی گئی۔

ف: شدید قحط سالی میں آپ کی دعا نے زندگی کے آثار پیدا فرما دیئے۔وہ قحط سالی اتنی واضح تھی جیسے سیاہ گھوڑے کی پیشانی پر سفیدی واضح ہوتی ہے۔اسی طرح سرسبز زمانوں میں یہ زمانہ قحط سالی بالکل واضح تھا۔حضرت انس کی روایت ہے کہ آپ کے زمانہ میں شدید قحط سالی ہوگئی آپ جمعہ کا خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ ایک دیہاتی نے کھڑے ہوکر عرض کی حضور مال تباہ و برباد ہوگیا۔اہل وعیال بھوک سے بلبلا رہے ہیں خدا تعالی سے دعا کیجئے کہ بارش ہو۔آپ نے اسی وقت دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیئے۔آسمان میں کسی قسم کے بادل کا نشان تک نہ تھا خدا کی قسم آپ نے ابھی دعا ختم بھی نہ کی کہ پہاڑوں جیسے بادل اُمڈ آئے اور ابھی آپ منبر سے اترے بھی نہ تھے کہ بارش شروع ہوگئی اور مجھے بارش کے قطرے آپ کی ریش مبارک سے ٹپکتے نظر آ رہے تھے۔بالاخر اگلے جمعہ تک بارش جاری رہی کہ اسی دیہاتی یا کسی دوسرے نے درخواست کی کہ حضور اب تو مکان گر رہے ہیں اور مال ڈوب رہا ہے۔خدا تعالیٰ سے دعا کیجئے۔آپ نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتے ہوئے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا **اللهم حوالينا ولا علينا على الاكام والظراب وبطون الأودية و منابت الشجر** خدایا ہمارے گرداگرد، نہ ہم پر، ٹیلوں پہاڑیوں وادیوں ذخیرہ ہائے درخت پر اور جدھر آپ ارشاد فرماتے بادل پھٹ جاتے حتیٰ کہ مدینہ کی فضا بادلوں سے صاف ہوگئی۔اور ہم کو دھوپ نے آ لیا۔بارش اتنی زیادہ ہوئی جدھر سے بھی کوئی آتا خوب بارش ہونے کی اطلاع دیتا۔برساتی نالہ مہینہ بھر رواں رہا۔

بعارض جادا وخلت البطاح بها۔ سيبا من اليم او سيلامن العرم

بادل سے خوب بارش ہوئی یا خیال کرے تو بڑی ندیاں بہہ نکلیں۔سمندر سے یا سیلاب بند ٹوٹنے سے

ف: ایسی بارش بادل سے برسی یوں سمجھئے کہ ندیاں بہہ نکلیں سمندر سے جس کا پانی ختم ہونے والا نہیں یا یوں سمجھو کہ بہت بڑے ڈیم کے بند ٹوٹ گئے اور سیلاب آ گیا۔

دعنی ووصفی ایات له ظهرت۔ ظهور نار القریٰ لیلا علی علم۔

چھوڑ مجھے آپ کے معجزات کا وصف بیان کرنے دے جو ایسے ظاہر ہوئے جیسے رات کو پہاڑ پر مہمانی کی آگ روشن ہوتی ہے۔

فالدر یزداد حسنا و هو منتظم۔ ولیس ینقص قدر اغیر منتظم۔

موتی جب پروئے ہوئے ہوں تو ان کا حسن بڑھ جاتا ہے۔ اگر پروئے نہ بھی ہوں تو ان کی قدر و منزلت کم نہیں ہوتی۔

ف: آپ کے معجزات مجھے بیان کرنے دے جو ایسے واضح اور روشن ہیں جیسے رات کو پہاڑوں پر آگ دور سے بھی روشن ہوتی ہے۔ میرے اشعار کی لڑیوں میں پروئے جائیں تو بہت خوب ہے ورنہ اس کی قدر و منزلت میں تو کمی ہو نہیں سکتی۔

فما تطاول امال المدیح الی۔ مافیه من کرم الاخلاق والشیم

کیوں نہ بڑھیں مدح کرنے والے کی آرزوئیں جو آپ میں اخلاق و عادات کے کمالات ہیں۔

ف: آپ کے اخلاق و عادات مدح میں گرچہ کتنی ہی آرزوئیں کی جائیں اور کیوں نہ کی جائیں لیکن یہ ہمارے بس کی بات نہیں۔

آیات حق من الرحمن محدثة ۔ قدیمة صفة الموصوف بالقدم

رحمٰن کی سچی آیات محدث بھی ہیں اور قدیم بھی۔ کلام اس کی صفت ہے جو قدیم ہے۔

ف: آیات قرآنی بلحاظ نزول و تلاوت حادث ہیں لیکن چونکہ وہ کلام الٰہی ہے اور کلام باری تعالیٰ کی صفت ہے اور باری تعالیٰ مع اپنی صفات کے قدیم، اس لحاظ سے کلام الٰہی بھی قدیم ہے۔

لم تقترن بزمان وهی تخبرنا۔ عن المعاد و عن عاد و عن ارم

کسی زمانہ سے تعلق نہ ہونے کے باوجود ہمیں آخرت عاد اور ارم کے حالات بتلاتی ہیں۔

ف: آیات قرآنیہ زمانہ ہائے ماضی حال مستقبل سے تعلق نہیں رکھتیں کیونکہ یہ کلام بالفاظ دیگر صفت الٰہی ہے تاہم ہمیں آخرت (آئندہ) کی بھی اطلاع دیتی ہے اور عاد و ارم (اقوام گذشتہ) کا بھی

ذکر کرتی ہے۔ قوم عاد ایک عظیم ترقی یافتہ قوم تھی۔ سیدنا ہود علیہ السلام کی تبلیغ کے باوجود راہ راست پر
آئی اور عذاب الٰہی سے تباہ و برباد ہوگئی۔ ارم یا عاد ارم بھی بڑی ترقی یافتہ قوم تھی جن پر شداد بن عا
حکمران تھا۔ نو سو سال عمر پائی۔ خدائی کا دعویٰ کیا اور زمین پر جنت بنانی شروع کر دی۔ سونے چاند
سے محلات تعمیر کروائے جن کے ستون زمرد و یاقوت کے تھے قسم قسم کے درخت اور باغات لگائے
نہریں کھدائیں اور اس جنت کا نام ارم رکھا۔ تکمیل پر معائنہ کیلئے جاتے ہوئے رستہ میں ہی عذاب الٰہی
کا شکار ہو گیا اور محلات کے دیکھنے کی حسرت دل میں ہی رہ گئی۔

دامت لدینا ففاقت کل معجزۃ۔ من النبین اذجاء ت ولم تدم

ہمیشہ رہے گا ہمارے پاس اور سب انبیاء کے معجزات سے فوقیت رکھتا ہے کیونکہ وہ آئے اور نہ
رہے۔

ف: معجزہ قرآنی قائم و دائم ہے اور اس لحاظ سے سب انبیاء کے معجزات پر فوقیت رکھتا ہے کیونکہ دو
سرے انبیاء کے معجزات کے لئے دوام نہیں ہے۔

محکمات فما یبقین من شبہ۔ لذی شقاق ولا یبغین من حکم

واضح احکامات میں کسی مخالف کیلئے شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی اور نہ ہی ان کے سوا کسی کا حکم مطلوب
رہتا ہے۔

ف: ایسے واضح احکامات ہیں کہ ان کے ہوتے نہ کسی دوسرے احکام کی طلب رہتی ہے اور نہ کسی
مخالف کیلئے شبہ کی گنجائش۔

ماحوربت قط الاعاد من حرب۔ اعدی الاعادی الیہا ملقی السلم۔

جو بھی بڑے سے بڑا دشمن اس سے جنگ آزما ہوا۔ اسے بالآخر سلامتی کی راہ اختیار کرنی پڑی۔

ف: جو بھی معترض تھا بالآخر اسے اس کلام بلاغت نظام کے سامنے ہتھیار ڈالنے پڑے۔

ردت بلا غتہا دعویٰ معارضہا۔ رد الغیور یدالجانی عن الحرم

اس کے معترض کے دعویٰ کو اس کی بلاغت نے یوں رد کر دیا جیسے اپنے اہل و عیال سے کوئی غیرتمند مجرم
کے ہاتھ کو دور کرتا ہے۔

لہا معانٍ کموج البحر فی مدد۔ وفوق جوھرہ فی الحسن و القیم۔

اس کے معانی سمندر کی لہروں کی طرح ہیں مدد میں۔ اور حسن و قیمت میں اس کے جواہرات سے زیادہ بڑھ کر ہیں۔

ف: قرآن مجید کے معانی ایک دوسری آیت کی وضاحت کیلئے سمندر کی لہروں کی طرح ہیں جیسے وہ ایک دوسری کو دھکیلتی چلی آتی ہیں اور اس کے معانی حسن و قیمت میں جواہرات سمندری سے زیادہ حسین اور قیمتی ہیں۔ سیدنا علیؓ کا قول ہے کہ اگر میں چاہوں تو سورہ فاتحہ کی تفسیر سے ستر اونٹ لاد دوں۔

فما تُعد ولا تحصیٰ عجائبها۔ ولا تسام علی الاکثار بالسأم

(قرآن مجید) کے عجائبات کی گنتی اور گھیراؤ نہیں کیا جا سکتا۔ باوجود کثرت تکرار و تلاوت کے ملال طبع کا موجب نہیں بنتیں۔

ف: قرآن مجید کے عجائبات معانی و غرائب و فوائد کی اتنی کثرت ہے جس کی حد و انتہا نہیں کہ ان کی گنتی شمار ہو سکے۔ ارشاد ہے **لا تنقضی عجائبه** اور باوجود کثرت اس کی وقعت و عظمت دل میں جاگزیں ہے جتنا بھی اس کا مطالعہ کیا جاوے کشش و خواہش رغبت و طلب زیادہ ہوتی جاتی ہے اور سیری نہیں ہوتی۔ ارشاد نبوی صلعم ہے **لایشبع منه العلماء**۔ علماء اس سے سیر نہیں ہوتے۔ **ولا تخلق عن كثرة الرد** بار بار پڑھنے سے پرانا نہیں ہوتا یعنی اس سے دل اکتاتا نہیں بلکہ لذت و نشاط طرب و فرحت میں زیادتی ہوتی ہے۔

قرت بها عین قاریها فقلت له۔ لقد ظفرت بحبل الله فاعتصم۔

اس کے پڑھنے والے کی آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں۔ میں نے اسے کہا خدا کی رسی کے حصول میں تو کامیاب ہو گیا ہے۔ مضبوطی سے پکڑ لے۔

ودوالفرار فکادو ایغبطون بهٖ۔ اشلاء شالت مع ا لعقبان و الرخم۔

ان کفار نے بھاگنا پسند کیا اور خواہش کرنے لگے کہ وہ بھی وہ اعضا ہوتے جنہیں عقاب اور گدھ لے اڑتے ہیں۔

ف: میدان جنگ سے کفار بھاگ نکلے اور چونکہ سر چھپانے کی جگہ نہ پاتے تھے اس

لئے ان کی خواہش تھی کہ ہم بھی ان مردوں میں شامل ہوتے جن کے جسم کے ٹکڑے عقاب اور گدھ اڑا لے گئے ہیں۔

تمضی اللیالی ولا یدرون عدتها۔ مالم تکن من لیالی الاشهر الحرم۔

راتیں گزر رہی تھیں اور انہیں ان کی گنتی بھی نہیں آ رہی تھی جب تک وہ شہور حرم کی راتیں نہ ہوں۔

ف: فکر اور پریشانی سے انہیں دن رات کی گنتی بھی نہیں آ رہی تھی۔ ہاں چونکہ ماہ ہائے حرام میں امن ہوتا ہے اس کی گنتی وہ کر لیتے تھے۔ ایک شاعر کا قول ہے ع **ولیل اخی المصیبة فیه طول** جس پر مصیبت پڑتی ہے اس کی راتیں بھی لمبی ہو جاتی ہیں۔ کفار کا شدت خوف کے باعث حواس باختگی کا یہ عالم تھا کہ انہیں وقت گزرنے کا بھی اندازہ نہیں ہو رہا تھا۔

کانما الدین ضیف حل ساحتهم بکل قرم الی لحم العدی قرم۔

گویا دین ایسا مہمان ہے جو ان کے گھر میں اترا ہے۔ سرداروں سمیت جو دشمن کے گوشت کا حریص ہے۔

ف: یعنی دین اسلام مہمان ہے جو صحابہ کو لے کر کفار کے ہاں آیا ہے اور وہ دشمنان دین کا گوشت بطور مہمان نوازی پیش کر رہے ہیں۔

یجر بحر خمیس فوق سابحة ترمی بموج من الابطال ملتطم

گھوڑ سوار لشکر کا سمندر کھینچے آ رہا ہے۔ بہادروں کی ایک دوسرے سے لپٹی ہوئی لہریں پھینکتا ہے۔

ف: اسلامی شہسواروں کا لشکر بحر بیکراں ہے جس کی ایک دوسرے سے لپٹنے والی لہریں بہادروں سے بھرپور ہیں۔

من کل منتدب لله محتسب۔ یسطو بمستأصل للکفر مصطلم۔

سب کے سب اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل کرنے والے ثواب کی امید رکھنے والے حملہ کرتے ہیں کفر کو جڑ سے اکھیڑنے والے ہتھیاروں سے سب بہادر مجاہدین **قاتلو المشرکین کافة** اور **وجاهدوا فی الله حق جهاده** کے احکام پر عمل پیرا ہیں اور خدا تعالیٰ سے اس پر اجر و ثواب کے امیدوار

بھی ہیں۔ایسا اسلحہ لے کر حملہ آور ہوتے ہیں جو کفر و کفار کی جڑیں اکھیڑ کر پھینک دیتا ہے۔

حتی غدت ملة الاسلام وهی بهم۔ من بعد غربتها موصولة الرحم

حتی کہ ملت اسلامیہ اپنی غربت کے باوجود صلہ رحمی کے قابل ہوگئی۔

ف: حدیث میں ہے **بدأ الأسلام غريبا و سيعود غريبا فطوبى للغرباء**۔اسلام غیر مانوس تھا اور بالآخر غیر مانوس ہو جائے گا ان لوگوں کو خوش ہونا چاہئے جنہیں کوئی نہیں جانتا۔اسلام کے غیر مانوس ہونے کی وجہ سے کفار اس سے بدکتے تھے۔بالاخر اسلام سے جہالت اس درجہ کو پہنچ جائے گی کہ وہ غیر مانوس ہو جائے گا۔اسی طرح اسلام کے پیرو بھی ایسے ہی ہونگے جن سے عوام انسیت نہ رکھیں گے۔اس لحاظ سے اس شعر کے معنی یہ ہیں کہ اگرچہ ملت اسلامیہ غیر مانوس تھی پھر بھی صلہ رحمی کا باعث بن گئی جو انسیت کی انتہا ہے۔

مكفولة ابداً منهم بخيراب۔ وخير بقل فلم تيتم ولم تئم ۔

ہمیشہ کیلئے بہترین باپ اور بہترین خاوند کے زیر سایہ ہوگئی اور اسے یتیم یا رانڈ ہونے کا فکر نہ رہا۔

ف: ملت اسلامیہ کو بہترین باپ کی کفالت حاصل ہوئی جس باپ کے فیوضات رہتی دنیا تک قائم رہیں گے۔لہٰذا اسے یتیمی کا داغ نہ سہنا پڑا۔کیونکہ ملت اسلامیہ کو **ملة ابيكم ابراهيم هو سمكم المسلمين** کہا گیا۔اسی طرح اس ملت کا سہاگ بھی ہمیشہ قائم رہے گا۔کیونکہ بمثل خاوند محافظ و مراقب سید الانبیا ﷺ کی ذات گرامی اسے نصیب ہوئی جن کے علوم و فیوض کے بحر بیکراں کے جرعہ نوش ہر زمانہ میں پیدا ہوتے رہیں گے۔ارشاد نبوی ہے **لايزال طائفة من امتى قائمة بأمر الله لايضر هم من خذلهم ولامن خالفهم حتىٰ ياتى امر الله** اور فرمایا **ان الله يبعث لهذه الامة على رأس مائة سنةٍ من يجددلها دينها**۔ میری امت میں ایک گروہ ہمیشہ احکام الٰہی پر قائم رہے گا۔ان کا ساتھ چھوڑ جانے والا اور ان کی مخالفت کرنے والا انہیں نقصان نہ پہنچا سکے گا۔ نیز فرمایا اس امت میں ہر سو سال کے بعد اللہ تعالیٰ اس دین کی تجدید کے لئے کسی نہ کسی کو ضرور بھیجتے رہیں گے۔

هم الجبال فسل عنهم مصاد مهم۔ ماذا رای منهم فی کل مصطدم۔

وہ پہاڑ ہیں انکے متعلق میدان ہائے تصادم سے پوچھ۔ ہر میدان جنگ میں اس نے انہیں کیسے پایا ہے۔

ف: جیوش اسلامی عظمت واستقامت ثبات وتمکن صلابت واستحکام میں پہاڑ کی مانند ہیں۔ ان کی جنگجوئی بہادری جرات وایثار کے مناظر کی کہانیاں میدان ہائے جنگ زبان حال سے بیان کر رہے ہیں۔

فسل حنينا وسل بدراً وسل احدا۔ فصول حتف لهم ادهى من الوخم۔

حنین۔ بدر۔ احد (کے میدانوں) سے پوچھ جو وبا سے بھی زیادہ خوفناک موت کی اقسام ان کے لئے مہیا کئے ہوئے تھے۔

ف: حنین بدر، احد کے معرکہ ہائے جنگ وقتال میں کفار کیلئے موت کی اس قسم کی اقسام پائی جاتی تھیں جو وبا سے بھی زیادہ شدید تھیں یعنی جیسے وباء کے دنوں میں مخلوقات دھڑا دھڑ مرتی چلی جاتی ہیں وہی حال یا اس سے زیادہ ان معرکوں سے کفار کا ہوا۔

المصدری البيض حمر ابعد ماوردت۔ من العدی كل مسود من اللمم۔

سونتے ہوئے سفید تلواریں جو سیاہ بالوں والے دشمنوں کے سروں سے سرخ ہو کر نکلتی ہیں۔

ف: نوجوان کفار کے سروں پر جب سفید چمکدار تلوار پڑتی تو خون آلود ہو کر نکلتی ہے۔

والكاتبين بسمر الخط ماتر كت اقلامهم حرف جسم غير منعجم۔

اور لکھنے والے خطی نیزے سے۔ ان کی قلموں نے جسم کا کوئی حصہ بغیر نقطہ لگانے کے نہیں چھوڑا۔

ف: خطی نیزہ۔ یمامہ کے علاقہ میں ایک جگہ جس طرف نیزہ منسوب ہے۔

یعنی صحابہ کے نیزوں نے جسم کا کوئی حصہ زخمی کرنے سے نہیں چھوڑا۔ جیسے کاتب جابجا نقطے لگاتا چلا جاتا ہے۔

شاكی السلاح لهم سيما تميزهم۔ والورد يمتاز بالسيما عن السلم۔

انہیں ممتاز کرنے والی نشانی ہتھیاروں کا کھچا ہونا ہے۔نشانی سے امتیاز کیا جا سکتا ہے گلاب کا خاردار جھاڑی سے۔

ف: صحابہ کی امتیازی نشانی یہ ہے کہ ان کے ہتھیار ہر وقت حملہ کے لئے تیار رہتے ہیں۔جیسا کہ خاردار جھاڑیوں اور گلاب کے پودوں کے کانٹوں سے ہی انہیں امتیاز کیا جا سکتا ہے۔

یھدی الیک ریاح النصرنشرھم۔ فتحسب الزھر فی الاکمام کل کم۔

فتح ونصرت کی ہوائیں تجھے ان کی خوشبوئیں ہدیہ بھیجتی ہیں۔تو ہر بہادر کو غلاف میں لپٹے غنچہ کی طرح سمجھ لے گا۔

صحابہ کی ثابت قدمی یقین واعتماد توکل علی اللہ کی خوشبو میں اللہ تعالیٰ کی نصرت کی ہوائیں پہنچاتی ہیں۔اور زرد پوش فولاد میں ڈوبے ہوئے بہادریوں ہی اپنے کمالات وجرأت کا مظہر ہونگے جس طرح پردے میں لپٹا ہوا غنچہ گل۔

کانھم فی ظھور الخیل نبت ربا۔ من شدۃ الحزم لامن شدۃ الحُزم

(صحابہ) گھوڑوں کی پشت پر یوں معلوم ہوتے ہیں جیسے ٹیکری پر درخت۔کمال احتیاط کی بنا پر نہ کہ جیسے تنگ اس پر بندھا ہوتا ہے۔

ف: صحابہ گھواروں کی پشت پر بیٹھے یوں معلوم ہوتے ہیں جیسے اونچی ٹیکری پر درخت اگا ہوا ہے۔اس کی جڑیں نہایت مضبوط ہوتی ہیں۔کوئی اندھیری یا جھکڑ انہیں اکھیڑ نہیں سکتا اور یہ کمال احتیاط اور ماہرانہ شاہسواری کا باعث ہے اور ان کی پوزیشن سوار ہونے میں ایسی نہیں ہوتی جیسے گھوڑے کا تنگ بندھا ہوتا ہے۔جس کے ٹوٹنے سے سوار نیچے آرہتا ہے۔

طارت قلوب العدی من باسھم فرقا۔ فما تفرق بین البھم والبھم۔

ان کی جنگ کے ڈر سے دشمنوں کے دل خوفزدہ ہو گئے۔تو امتیاز نہیں کر سکے گا بکری کے بچہ اور بہادر میں۔

ف: دشمن ان سے اتنا خوفزدہ ہے کہ فرار میں بکری کے بچہ اور بہادر میں تمیز ہی نہیں کی جا سکتی

جیسے بکری کے بچے خوفزدہ ہوتے ہیں ویسے ہی ان کے بہادر بھی خوفزدہ ہوتے ہیں۔

ومن تکن برسول اللہ نصرتہ ۔ ان تلقہ الاسد فی آجامھا تجم

جسے رسول خدا کی تائید وحمایت نصیب ہو۔اگر اسے شیر بھی کچھار میں مل جائے تو ڈر کر بھاگ جائے گا۔

ف: یعنی جسے رسول اکرم صلعم کی غلامی کا شرف حاصل ہو جائے۔شیر اگرچہ کچھار میں انتہائی خونخوار ہوتا ہے لیکن وہ وہاں بھی ان سے خوفزدہ ہوکر بھاگ جائے۔روایت ہے کہ سیدنا ابن عمر نے ایک سفر میں رستہ پر لوگوں کا اژدھام دیکھ کر پوچھا تو بتلایا گیا کہ رستہ میں ایک شیر بیٹھا ہے اور لوگ اس سے خوفزدہ ہیں۔حضرت سواری سے اتر کر شیر کی طرف گئے اور اسے کان سے پکڑ کر رستہ سے ایک طرف کر دیا۔اسی طرح حضرت سفینہ کا واقعہ ہے کہ وہ لشکر اسلامی سے بچھڑ گئے اور جنگل میں بھٹک گئے کیا دیکھتے ہیں کہ ایک زبردست شیر ان پر حملہ کرنے کو ہے تو آپ نے فرمایا **انا سفینۃ مولیٰ رسول اللہ** میں حضور کا غلام سفینہ ہوں شیر سنتے ہی سر جھکا کر آ گیا اور غرا کر اپنے جسم کو آپ سے رگڑنے لگا۔آپ نے جب رستہ بھول جانے کا اظہار کیا تو شیر نے آپ کے دامن کو کھینچنا شروع کر دیا حتیٰ کہ آپ کو لشکر اسلامی کے قریب لے گیا اور واپس جاتے ہوئے تین دفعہ دھاڑا۔سفینہ کہتے ہیں میں سمجھ گیا کہ یہ وداعی سلام کہہ رہا ہے۔

ولن تری من ولی غیر منتصر ۔ بہٖ ولامن عدو غیر منقصم۔

ہرگز نہیں دیکھے گا تو کہ آپ کا دوست مدد نہ کیا جاوے۔اور دشمن ٹکڑے ٹکڑے نہ ہو۔

ف: محبّ رسول کریم ﷺ ہمیشہ منصور ومعزز ہوگا اور دشمن ہمیشہ مقہور ومخذول ہوگا۔فرمان الٰہی ہے۔**ذالک بان اللہ مولی الذین آمنوا وان الکافرین لامولیٰ لھم**۔ خدا مومنین کا حامی وناصر ہے اور کفار کا کوئی حامی وناصر نہیں۔

احل امتہ فی حرز ملتہٖ ۔ کاللیث حل مع الاشبال فی اجم

اپنی امت کو آپ نے اپنی ملت کے قلعہ میں اس طرح رکھا ہے جس طرح شیر اپنے بچوں کو نیستاں میں

رکھتا ہے۔

ف: جو بھی جادہ شریعت پر قائم ہو گیا اس سے نہ تو کوئی تعرض کر سکے گا اور نہ ہی اسے کوئی تکلیف دے سکے گا اور وہ سب حوادث وفتن سے محفوظ ہو جائے گا۔

كم جدلت كلمات الله من جدل۔ فيه وكم خصم البرهان من خصم۔

کلمات الٰہی نے آپ کے بارہ میں کتنے ہی جھگڑنے والوں کو بچھاڑ دیا ہے اور غالب آئے دلائل مدمقابل پر۔

ف: کلام الٰہی نے کتنے ہی معارضین ومعاندین کو دلائل وبراہین سے شکست دی ہے اور آپ کی نبوت ورسالتؐ، صداقت وشرافت کے دلائل وبراہین دیئے ہیں جس کا جواب کسی بھی مخالف سے نہ بن آیا۔

كفاك بالعلم في الامى معجزة ۔ في الجاهلية والتاديب في اليتم

تجھے یہی معجزہ کافی ہے کہ زمانہ جاہلیت میں ایک ان پڑھ عالم بن جائے اور باوجود یتیمی کے اسے ادب حاصل ہو۔

ف: آپ کی حقانیت اور صداقت کی اس سے بڑھ کر کیا دلیل ہوسکتی ہے کہ آپ ان پڑھ قوم میں پیدا ہوئے ساری عمر نہ تو قلم پکڑ کر کوئی حرف صفحہ قرطاس پر ڈالا اور نہ ہی دوسرے کا لکھا پڑھا باوجود اس کے اولین وآخرین کے علوم کے جامع تھے بلکہ تا قیامت کوئی بڑے سا بڑا عالم بھی آپ کے علوم کا احاطہ نہ کر سکا اور نہ ہی کر سکے گا اور پھر باوجود یتیمی کے اور کسی کے زیر سایہ ادب حاصل نہ کرنے کے دنیا کو آداب جہانبانی سکھلائے۔ گویا آپؐ کی پوری سیرتِ مطہرہ **ادبنى ربى فأحسن تأديبى** (میرے رب نے مجھے ادب سکھایا اور میری خوب تربیت فرمائی) کی مظہر ہے۔

بقول شاعر:

نگارِ ما بہ مکتب نرفت و خط ننوشت

بغمزہ مسئلہ آموزِ صد مدرس شد

اور ظفر علی خاں کے الفاظ میں ۔

جو فلسفیوں سے حل نہ ہوا اور نکتہ وروں سے کھل نہ سکا
وہ راز اک کملی والےؐ نے بتلا دیا چند اشاروں میں



طلب مغفرۃ وشفاعۃ

خدمته بمديح استقيل به۔ ذنوب عمر مضى فى الشعر و الخدم

آپ کی بارگاہ میں مدح کر کے میں ان گناہوں کی معافی کا طلبگار ہو رہا ہوں جو شعر و خدمت میں گزارا۔

ف: مدح نبوی سے مقصود ان گناہوں کا ازالہ کرنا ہے جو ساری عمر ملوک وسلاطین اور دنیا داروں کی مدح و خدمت کر کے کیے ہیں۔

اذقلدانى ماتخشى عواقبه۔ كاننى بهما هدى من النعم۔

جن کے انجام سے خوف کیا جاتا ہے وہ پٹہ انہوں نے میرے گلے میں ڈال دیا ہے گویا میں چار پایوں میں سے قربانی کا جانور ہوں۔

ف: ان لوگوں کی مدح وصحبت کے انجام سے خوف آتا ہے اور میری حالت یہ ہے جیسے قربانی کا جانور ہو۔

اطعت غى الصبا فى الحالتين وما۔ حصلت الاعلى الآثام و الندم

دونوں حالتوں میں میں عنفوان شباب کی سرکشیوں کے پیچھے چلا اور گناہوں اور پریشانیوں کے سوا کچھ حاصل نہ ہوا۔

ف: عنفوان شباب کے تقاضے پورے کرتے ہوئے میں نے اپنی خواہشات کی پیروی کی۔ مال و منال کے حصول لذات وشہوات کے پورا کرنے دنیا داروں اور مبتدعین ومرفہین کی صحبت کو اختیار کر کے سوائے گناہوں اور پریشانیوں کے کچھ حاصل نہ کیا۔

فيا خسارة نفسى فى تجارتها۔ لم تشترالدين بالدنيا و لم تسم

اپنے نفس کی اس تجارت کے خسارے پر صد افسوس۔ دنیا کے بدلے دین کو نہ خریدا اور نہ ہی اس خرید کا

طالب ہوا۔

ف: دین کے بدلے دنیا کا حصول انتہائی خسارہ کا باعث ہے۔ **اعلموا أنما الحياة الدنيا لعب و لهو وزينة و تفاخر بينكم وتكاثر فى الاموال والاولاد۔** جان لوکہ دنیا کی زندگانی کھیل کود۔ زینت ایک دوسرے پر فخر کرنے اور مال اولاد میں ایک دوسرے سے سبقت لیجانے کے سوا کچھ نہیں۔ **ان الدنيا ملعونة وملعون مافيها الاذكر الله وما والاه عالم و متعلم۔** دنیا اور جو بھی دنیا میں ہے ملعون ہے۔ یاد الٰہی۔ مرضیات الٰہی عالم و متعلم کے سوا۔ **هلك الاكثرون الامن قال بالمال هكذا و هكذا ومن اخذ الدنيا فوق مايكفيه اخذ حتفه وهولا يشعر۔ من أراد الاخرة ترك زينة الدنيا و من احب دنياه أضر آخرته ومن أحب آخرته أضر دنياه فاثر واما يبقى على مايفنىٰ۔ قد أفلح من اسلم ورزق كفافا وقنعه الله بما آتاه۔ ما انا والدنيا الاكراكب استظل تحت شجرة ثم راح و تركها۔ كن فى الدنيا كانك غريب اوعابر سبيل۔**

ان لوگوں کے سوا جو مال کو ادھر ادھر بانٹ دیتے ہیں اکثریت ہلاک ہوگئی۔ جس نے اپنی ضرورت سے زیادہ دنیا حاصل کی وہ اسے مار ڈالے گی اور اسے پتہ نہیں چلے گا۔ جو آخرت کی خواہش کرتا ہے زینت دنیاوی کو ترک کر دیتا ہے جو دنیا سے محبت کرتا ہے اپنی آخرت کا نقصان کر لیتا ہے اور جو آخرت سے محبت کرتا ہے۔ دنیا کا نقصان کر لیتا ہے۔ سوتم فانی پر باقی کو ترجیح دو۔ جو سلامت رہے۔ ضرورت کے مطابق اسے رزق مل جائے اور جو اسے خدا نے دے رکھا ہے اس پر اسے قناعت نصیب ہو جاوے۔ وہ کامیاب ہوگیا۔ میری اور دنیا کی مثال اس سوار کی ہے جو رستہ میں درخت کے سایہ میں ذرا سا بیٹھ کر چل دے اور اس جگہ کو چھوڑ جائے۔ دنیا میں ایسے ہو جا گویا کہ تو مسافر ہے یا راہ گزر۔

ومن يبع آجلامنه بعاجله۔ يبن لهٗ الغبن فى بيع و فى سلم

جو آخرت کو دنیا کے بدلے میں فروخت کردے گا۔ اسے خسارہ واضح ہو جائے نقد و ادھار خریداری میں

ف: قل هل ننبئكم بالأخسرين اعمالا الذين ضل سعيهم فى الحياة الدنيا وهم يحسبون انهم يحسنون صنعا۔ يا ايها الذين آمنوا لا تلهكم اموالكم ولا

اولادکم عن ذکر الله ومن یفعل ذالك فاولئك هم الخسرون۔ انہیں کہہ دیجئے میں تمہیں بتاؤں کون لوگ ہیں جن کے اعمال خسارہ میں ہیں وہ لوگ جن کی ساری کوشش دنیا کے حصول میں صرف ورائیگاں جارہی ہے اور وہ خیال کرتے ہیں کہ وہ کوئی اچھا کام کررہے ہیں۔ ایمان والو تمہارے اموال واولاد تمہیں خدا کی یاد سے غافل نہ کردیں جو ایسا کرے گا وہ بڑے نقصان اٹھانے والے ہیں۔

ان ات ذنبا فما عهدی بمنتقض۔ من النبی ولا حبلی بمنصرم

اگر میں کوئی گناہ کر بیٹھا ہوں تو اس سے میرا حضور صلعم سے کیا ہوا عہد نہیں ٹوٹ گیا اور نہ ہی میرا تعلق ختم ہوگیا ہے۔

ف: مطلق گناہوں سے **لا اله الا الله محمد رسول الله** کے اقرار کا عہد ختم نہیں ہوجاتا اور نہ ہی اسلام سے تعلق ٹوٹ جاتا ہے۔

فان لی ذمة منه بتسمیتی۔ محمدا وهوا و فی الخلق بالذمم

کیونکہ مجھے اپنے نام محمد کی بنا پر عہد حاصل ہے۔ اور آپ ساری مخلوق سے زیادہ اپنے عہد کا پاس کرنے والے ہیں۔

ف: حدیث میں ہے **انی شفیع لکل محمد یوم القیمة** میں ہر محمد نام کی قیامت کو سفارش کروں گا۔ لہٰذا مجھے آپ کے اس عہد کا حوصلہ ہے کہ آپ عہد وفا کرتے ہوئے میری سفارش فرمادیں گے۔ کیونکہ آپ سے زیادہ کوئی وعدہ وفائی کرنے والا نہیں ہے۔

ان لم یکن فی معادی آخذابیدی۔ فضلا والا فقل یا زلة القدم۔

اگر اپنے فضل وکرم سے آخرت میں آپ میری دستگیری نہ کریں تو کہہ انتہائی پاؤں رپٹا۔

ف: اس سے بڑی بدنصیبی کیا ہوسکتی ہے کہ آخرت میں آپ کی نظر شفقت نہ ہو۔

حاشاه ان یحرم الراجی مکارمه۔ اویرجع الجارمنه غیر محترم

خدا آپ کو منزہ کرے اس سے کہ آپ کا امیدوار آپ کی عنایات سے محروم رہ جاوے۔ یا آپ کے ہاں پناہ لینے والا بے عزت ہو۔

ف: اللہ تعالیٰ آپ کی شان کو اس سے بلند رکھیں کہ امیدوار عنایات آپ کی بارگاہ سے محروم رہے یا جو آپ کی پناہ میں آئے وہ مستوجب سزا ہو۔

ومنذالزمت افکاری مدائحه۔ وجدته لخلاصی خیر ملتزم

جب سے میں نے اپنے افکار کو آپ کی مدح پر لگا دیا ہے۔ میں اپنے چھٹکارے کے لئے بہتر چمٹایا جانے والا پالیا ہے۔

ف: جب سے میں نے آپ کی مدح کرنی شروع کی ہے۔ مصائب سے بچاؤ کے لئے بہترین وسیلہ پالیا ہے۔

ولن یفوت الغنی منه یدا تربت۔ ان الحیاینبت الازهار فی الاکم۔

جو ہاتھ آپ کا محتاج ہو وہ سخاوت سے محروم نہیں رہتا کیونکہ بارش ٹیلوں پر بھی پھول اگا دیتی ہے۔

ف: جو بارگاہ نبوی میں سائل بن کر آ جائے وہ آپ کی رحمت کی بارش سے محروم نہیں رہتا۔ اگرچہ اعمال حسنہ سے اس کا وجود کتنا ہی بنجر ہو کیونکہ بنجر اراضی ہی زیادہ بارش کی ضرورت مند ہوتی ہے اور جب وہاں بارش ہو تو وہاں بھی پھول کھلتے ہیں۔

ولم اردزهرة الدنیا التی اقتطفت۔ یدا زهیر بما اثنیٰ علی هرم

میں نے دنیا کی تروتازگی کی خواہش نہیں کی جسے زہیر نے ہرم کی مدح کر کے حاصل کیا۔

ف: ہرم میں سنان بن ابی حارثہ کی مدح کر کے شاعر زہیر نے جیسے دنیا کا مال و متاع حاصل کیا۔ میرا مدح نبوی سے یہ مقصود نہیں۔

یا أکرم الخلق مالی من الوذبه۔ سواك عند حلول الحادث العمم

اے معزز ترین مخلوقات تیرے سوا کوئی نہیں جس کی حادثہ عام کے وقت میں پناہ تلاش کروں۔

ف: حادثہ عام سے مراد قیامت کا دن ہے جس وقت مدت مدید تک حساب نہ ہونے کی وجہ سے سب پریشان ہونگے اور کوئی کسی کا حامی و ناصر نہیں ہوگا حتیٰ کہ انبیاء و رسل بھی سفارش سے معذوری ظاہر کریں گے۔ بالآخر حضور صلعم شفاعت کبریٰ فرمائیں گے۔

آپ نے فرمایا **انا اول الناس خروجا اذا بعثوا وانا قائدهم اذا وخدوا**

وانا خطیبھم اذا انصتوا۔ وانا شافعھم اذاحبسوا وانا مبشرھم اذا ایسوا الکرامۃ والمفاتیح یومئذبیدی۔ جب قیامت کولوگ اٹھیں گےتو میں سب سے پہلے اٹھوں گا جب وہ حاضری دیں گے، میں قیادت کروں گا، جب وہ چپ ہونگے میں خطبہ دوں گا، جب وہ رک جائیں گے میں سفارش کروگا، جب وہ ناامید ہو جائیں گے میں خوشخبری دوں گا۔عزت اور (سب خیر کی) چابیاں میرے ہاتھ میں اس روز ہونگی۔

ولن یضیق رسول اللہ جاھك بی۔ اذالکریم تجلی باسم منتقم۔

اے رسول خدا آپؐ کے مقام ومرتبہ کی رفعت ووسعت (قیامت کے روز) مجھے فراموش نہیں کرے گی اور میری (شفاعت) کرنے سے بے تعلق نہیں ہوگی۔جس وقت خدائے کریم اپنے اسم منتقم سے جلوہ گر ہوں گے۔

ف: روز قیامت جبکہ باری تعالیٰ اپنے اسم منتقم کا مظہر ہونگے اور شدید غضبناک ہونگے۔تو مجھے امید ہے کہ میں فیضِ شفاعت سے محروم نہیں رہوں گا۔

فان من جودك الدنیا وضرتھا۔ ومن علومك علم اللوح والقلم۔

آپ کی عنایات سے ہی تو دنیا اور اس کی سوکن (آخرت) ہے۔اورآپ کے علوم سے لوح وقلم کا علم ہے۔

ف: دنیاوآخرت سب آپ کے فیض سے ہی ہیں کیونکہ **لولاك لما خلقت الافلاك۔**

دنیا کی سوکن کا جب بیان کیا جیسے کوئی عورت اپنی سوکن کو پسند نہیں کرتی یہی حالت دنیا اورآخرت کی ہے جو دنیا کو پسند کرتا ہے اپنی آخرت کا نقصان کر لیتا ہے اور جو آخرت کو پسند کرتا ہے اپنی دنیا ضائع کرلیتا ہے۔

کمال علم نبوی یہ ہے کہ لوح وقلم کے علوم آپ کے علوم کا ایک حصہ ہیں۔

یانفس لاتقنطی من زلۃ عظمت۔ ان الکبائر فی الغفران کاللمم۔

اے دل لغزشیں چاہے کتنی بڑی ہوں ناامید نہ ہو۔بخشش کے وقت کبیرہ بھی صغیرہ کی طرح

ہوتے ہیں۔

ف: گناہ چاہے کتنے ہی ہوں توبہ کر کے رحمت الٰہی سے ناامید نہ ہو کیونکہ فرمان الٰہی بروایت نبوی ہے۔ **سبقت رحمتی غضبی** میری رحمت میرے غضب پر سبقت لے گئی ہے لیکن یہ بھی نہ ہو کہ گناہ کرتا رہے اوران پر مصر رہے اور سمجھے یہ کوئی بات نہیں اللہ غفور رحیم ہے کیونکہ یہ تو ایسی حماقت ہے جو شیطانی اثرات سے پیدا ہوتی ہے۔ حضور فرماتے ہیں **الکیس من دان نفسه و عمل لمابعد الموت والا حمق من اتبع نفسه هوا ها و تمنی علی الله** معلوم ہوا کہ امید مغفرت اور چیز ہے اور تمنیٰ اور چیز اسی کے متعلق فرمایا **لایغرنکم بالله الغرور**۔ یہ شیطانی وساوس ہیں کہ اصرار معصیت کے ساتھ تمنی مغفرت بھی ہو۔ یہ تو ایسے ہے کہ زہر کھائے اور توقع رکھے کہ طبیعت خود بخود اس کا مداوا کرے گی۔ تفسیر قاضی میں ہے **لایغرنکم الله ای الشیطان بان عینیکم التوبة والمغفرة فیجر کم علی المعاصی**۔ کبائر سات ہیں جو مشہور حدیث میں مذکور ہیں۔ اشراک باللہ۔ فرار من الزحف۔ عقوق والدین قتل نفس بغیر حق۔ بہتان مومن۔ زنا۔ شرب خمر۔ بعض نے اکل ربا اور اکل مال یتیم کو بھی شامل کیا ہے۔ بعض نے کہا ہے **ماکان حرامابعینه فهو کبیرة**۔ **امام شمس الائمة خلواتی** فرماتے ہیں جس کام کو مسلمان قوم برا سمجھے اور اس میں اللہ اور دین کی ہتک پائی جاوے وہ کبیرہ گناہ ہے۔ اسی طرح معاصی و فجور پر اعانت اور ان کی اشاعت بھی کبیرہ میں شامل ہے۔ اس بارے میں **الزواجر عن اقتاف الکبائر** مفصل کتاب ہے۔

لعل رحمة ربی حین یقسمها۔ تاتی علی حسب العصیان فی القسم۔

شاید کہ رحمت الٰہی جب تقسیم ہو گناہگاروں کے حصہ میں گناہوں کی تعداد میں تقسیم ہو۔

ف: اس طرح میرا حصہ رحمت الٰہی میں زیادہ ہو کیونکہ جتنے گناہ زیادہ ہونگے اتنی ہی رحمت زیادہ مطلوب ہوگی۔

یا رب و اجعل رجائی غیر منعکس۔ لدیك واجعل حبالی[1] غیر منخرم۔

---

[1] اکثر نسخوں پر ''حسابی'' کا لفظ ہے۔ اس سے مراد ''ظنی'' (میرا گمان) ہے بمطابق حدیث قدسی: **أنا عند ظن عبدی بی**......۔

اے پروردگار میری امید کا الٹ نہ **کیجیو** اور میرے رب کو نہ توڑیو

ف: کیونکہ آپ کا ارشاد ہے **اناعند ظن عبدی بی۔**

والطف بعبدك فی الدارین ان لهٔ۔ صبرا متی تدعه الاهوال ینهزم۔

دنیاوعقبیٰ میں اپنے غلام پر عنایات فرمائیے۔ کیونکہ اس کا صبر اتنا کمزور ہے کہ خطرات سے شکست کھا جاتا ہے۔

وائذن لسحب صلاة منك دائمة۔ علی النبی بمنهل و منسجم۔

اور رحمت کے بادلوں کو حکم دیجئے۔ کہ تھوڑی زیادہ بارش نبی کریم پر ہمیشہ برساتے رہیں۔

والآل والصحب ثم التبعین لهم۔ اهل التقیٰ والنقیٰ الحلم الکرم

اور آپ کی آل، صحابہ اور تابعین پر جو صاحب تقوی ونظافت اور بردبار ومعزز ہیں۔

ثم الرضا ابی بكر و عن عمر۔ وعن علی و عن عثمان ذی الکرم۔

پھر راضی ہوا ابوبکر عمر۔ علی۔ سخاوت والے عثمان سے

مارنحت عذبات البان ریح صبا۔ واطرب العیس حا دی العیس بالنغم۔

جب تک باد صبا سے بان کی ٹہنیاں جھولتی رہیں۔ اور جب تک اونٹوں کو حدی خواں اپنے نغموں سے طربناک کرتا رہے۔

فالحمدلله علی اتمامة حمد یوافی نعمه، ویکا فی مزید کرمه۔ اللهم احمدك بجمیع محامدك ما علمت منها ومالم اعلم وعلی جمیع نعمك ماعلمت منها وما لا اعلم والحمد لله رب العلمین والصلوٰة والسلام علی سید المرسلین وعلی آله وصحبه اجمعین صبیح یوم الجمعة۔ جمادی الثانیة ۱۳۹۱ھ۔ عندالله الغنی محمد طیب همدانی عفاه اللّٰه و کفاه۔

